مسلم خواتین سے متعلق فتاوی

تحریر

امام یوسف القرضاوی

ترجمہ

عقیدت اللہ قاسمی

نام کتاب: مسلم خواتین سے متعلق فتاوی
مصنف: امام یوسف القرضاوی
مترجم: عقیدت اللہ قاسمی
صفحات: ۸۷
قیمت:
سن اشاعت:

فہرست

مقدمہ	۵
عورتوں کا فتنہ اور عورت کی آواز	۸
مرد و عورت کا ایک دوسرے کو دیکھنا	۱۷
عورتوں کو سلام کرنا	۳۱
مرد و عورت کا اختلاط	۴۰
اجنبی مرد و عورت کا غیر محرم کی عیادت کرنا	۵۶
مرد و عورت کا ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا	۶۲
عورت کی ملازمت	۸۰
مولف کا مختصر تعارف	۸۵

مقدمہ

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن اتبع هداه۔

یہ رسالہ دور حاضر میں مسلم خواتین کو درپیش مسائل سے متعلق فتاوی پر مشتمل ہے۔

خواتین کے مسائل بھی اس دور کے اہم ترین مسائل میں شامل ہیں، جن کے اثرات دوررس ہیں، کیونکہ عورت کا خاندانی ومعاشرتی زندگی میں انتہائی اہم رول ہوتا ہے، اور عورتوں کی اصلاح پر خاندانی اور معاشرتی اصلاح کا دارومدار ہوتا ہے، ہم اس سے پہلے ایک رسالہ میں بحیثیت انسان، صنف نازک، ماں، بیٹی، بیوی اور سوسائٹی کے ایک رکن کی حیثیت سے اسلامی زندگی میں عورت کے مقام ومرتبہ کو بیان کر چکے ہیں، اسی طرح ایک دوسرے رسالہ میں ہم نے نقاب کو بدعت یا فرض کہنے والوں کی افراط وتفریط کے درمیان کی راہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے اس کا صحیح شرعی حکم واضح کیا ہے۔

یہ مجموعۂ فتاوی ان اہم سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے جو عصر حاضر کے ان دین پسند مردوں اور عورتوں کا مرکز توجہ بنے ہوئے ہیں جنہیں رضائے الٰہی اور حلال وحرام کی فکر رہتی ہے۔

عورتوں کے فتنہ سے آگاہ کئے جانے کا کیا مطلب ہے، انہیں مردوں کے لئے سب سے زیادہ ضرررساں چیز کہنے سے کیا مراد ہے؟

اور کیا عورت کی آواز بھی عورت ہے جیسا کہ بعض دین دار لوگوں میں مشہور ہے؟

مرد کا عورت کو دیکھنے اور عورت کا مرد کو دیکھنے کا کیا حکم ہے؟

مرد وعورت کے ''اختلاط'' کا کیا حکم ہے؟ اور کیا ہر اختلاط حرام ہے؟

عورتوں کو سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ خاص طور پر جن عورتوں سے کوئی تعلق ہو جیسے پڑوسی یا استاذ یا رفیق کار وغیرہ؟

کسی اجنبیہ عورت کا غیر محرم مرد مریض کی عیادت کرنے یا کسی اجنبی مرد کا کسی غیر محرم بیمار عورت کی عیادت کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور غیر محرم مرد وعورت کے اس وقت باہم مصافحہ کرنے کے سلسلہ میں شریعت کا موقف کیا ہے جبکہ اس کی کوئی ضرورت ہو اور فتنہ کا کوئی اندیشہ نہ ہو؟

عورت کے اپنے گھر سے باہر کے کام کرنے کا کیا حکم ہے، اور اگر ایسا کرنا جائز ہو تو اس کے شرعی ضابطے کیا ہیں؟

یہ وہ اہم ترین مسائل ہیں جن کے بارے میں اپنی آخرت کی فکر رکھنے والی ہر عورت اپنے نزدیک معتبر عالم سے سوال کر کے ان سے جواب چاہتی ہے۔

ہم نے اس طرح کے سوالات کے جوابات قرآن وسنت، مقاصد شریعت اور انسانوں کے مصالح کی رعایت کی بنیاد پر دیے ہیں، مسلمان قارئین سے درخواست ہے کہ وہ ان فتاوی کو ان لوگوں کی طرح پڑھیں جو لوگوں کو حق کے ذریعہ پہچانتے ہیں نہ کہ حق کو کچھ خاص لوگوں کے ذریعہ پہنچانتے ہیں۔

کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ ہم نے کسی شخص کی خواہشات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے فتاوی میں آسانی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ہم نے اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے کہ شریعت کی بنیاد سہولت پر ہے، عسر وتنگی پر نہیں ہے، اور یہ کہ حرج احکام شریعت کے بالکل منافی ہے، استقراء کے بعد ہم اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ عالم کے تفقہ میں جوں جوں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، اس کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوتی چلی جاتی ہے کہ شریعت آسان ہے، اور ہر زمانہ وعلاقہ کے لوگوں کی حاجتوں کا خیال رکھتی ہے، چنانچہ جیسا کہ امام ابن قیم نے کہا ہے کہ شریعت سراپا

رحمت، عدل اور حکمت و مصلحت ہے، کوئی بھی مسئلہ رحمت کے بجائے زحمت، انصاف کے بجائے ظلم، دور اندیشی کے بجائے تنگی اور مصلحت کے بجائے مفسدہ کی شکل اختیار کر لے تو شریعت سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں، خواہ اس کو زبردستی اس کا نام کیوں نہ دے دیا جائے۔

اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے خالق، غیب وشہادت کے جاننے والے، اپنے بندوں میں پیدا ہونے والے اختلافات کا فیصلہ کرنے والا بھی تو ہی ہے، جن مسائل وامور میں اختلافات پیدا ہو گئے ہیں ان میں ہماری حق کی طرف رہنمائی فرما، بے شک تو جس کی چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کر دیتا ہے۔

یوسف القرضاوی

(دوحہ- جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۵ء)

عورتوں کا فتنہ.....اور عورت کی آواز

سوال: بعض لوگ عورت کے تئیں بدگمانی رکھتے ہیں، ہر فتنہ وفساد کی جڑ اسی کو سمجھتے ہیں، جب بھی کوئی حادثہ پیش آتا ہے یا کوئی پریشانی سامنے آتی ہے وہ کہتے ہیں عورت سے متعلق تحقیق کیجئے بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک انسانوں پر جتنی مصیبتیں آتی ہیں، سب عورت کی وجہ سے ہی آتی ہیں، اس لئے کہ اسی نے حضرت آدم کو منع کیے گیے درخت کے پھل کھانے پر ابھار کر انہیں جنت سے نکلوادیا تھا اور پھر اسی وجہ سے ان پر بھی اور ہم پر بھی ساری مصیبتیں آئیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے دعووں پر ایسے دینی نصوص سے استدلال کرتے ہیں جو یا تو مستند وصحیح نہیں ہوتے یا اگر صحیح ہوتے ہیں تو انہوں نے ان کا مفہوم غلط اخذ کیا ہوتا ہے، جیسا کہ بعض احادیث میں عورتوں کے فتنہ سے آگاہ کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: میں نے اپنے پیچھے لوگوں کے لئے عورتوں سے زیادہ ضرر رساں فتنہ نہیں چھوڑا۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح کی حدیثوں کی مراد کیا ہوتی ہے جن کو بعض واعظ اور خطیب بسا اوقات بیان کرتے ہیں، اور پھر کچھ لوگ ان حدیثوں کو عورت کے ساتھ غلط سلوک کرنے کے سلسلے میں بے جا استعمال کرتے ہیں، نیز کچھ اور لوگ ان حدیثوں کی بنیاد پر اسلام پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ اس نے عورت پر ظلم کیا ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ عورت کی آواز کا بھی اس کے چہرہ کی طرح پردہ ہے اور اس کے حق میں یہی بہتر ہے کہ آخری سانس تک گھر کی چہار دیواری میں بند رہے۔

حالانکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے جس نے عورت کے ساتھ اسلام کی طرح انصاف کرتے ہوئے اس کا اسلام کی طرح خیال رکھا ہے، اس کو اسلام جیسی عزت اور حقوق دیے ہوں۔ لیکن ہمارے پاس وہ قوت بیان اور وہ دلائل نہیں ہیں جو اللہ تعالی نے آپ کو عطا کیے ہیں، اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ ان اسلام سے دانستہ یا نادانستہ طور پر ناواقفوں کے لئے ان احادیث کا صحیح مطلب واضح کر دیجئے۔

اللہ تعالی آپ کو زیادہ سے زیادہ توفیق دے آپ کا نفع عام کرے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے، آمین۔

جواب: کسی بھی مسئلہ میں حق و باطل اور صحیح و غلط کی تمیز اتنی مشکل نہیں ہے جتنی مشکل یہ تمیز اسلامی معاشروں میں عورت کے مسئلہ میں ہے۔

حق یہی ہے کہ کوئی بھی الہامی یا انسانی دین یا نظریاتی یا عملی فلسفہ ایسا نہیں ہے جس نے عورت کے ساتھ اسلام کی طرح انصاف کیا ہو، اس کو اسلام کی طرح عزت و عظمت سے نوازا ہو اور اتنا تحفظ فراہم کیا ہو۔

چنانچہ اسلام نے عورت کو ایک انسان کی حیثیت سے عزت بخشی، اس کے ساتھ انصاف کیا اور اس کو تحفظ عطا کیا۔

اسلام نے عورت کو جنس نازک کی حیثیت سے عزت بخشی، اس کے ساتھ انصاف کیا اور اس کو تحفظ فراہم کیا۔

اسلام نے عورت کو ایک بیٹی کی حیثیت سے عزت بخشی، اس کے ساتھ انصاف کیا اور اس کو تحفظ فراہم کیا۔

اسلام نے عورت کو ایک بیوی کی حیثیت سے عزت بخشی، اس کے ساتھ انصاف کیا اور اس کو تحفظ فراہم کیا۔

اسلام نے عورت کو ایک ماں کی حیثیت سے عزت بخشی، اس کیساتھ انصاف کیا اور اس کو تحفظ فراہم کیا۔

اسلام نے عورت کو معاشرہ کے ایک رکن کی حیثیت سے عزت بخشی، اس کے ساتھ انصاف کیا اور اس کو تحفظ فراہم کیا۔

اسلام نے عورت کو ایک انسان کی حیثیت سے اسی وقت عزت وعظمت سے سرفراز کر دیا تھا جب کہ اس کو مرد کی طرح مکلّف، مکمل ذمہ داری واہلیت کا حامل اور مرد کی ہی طرح ثواب وعقاب کا مستحق قرار دیا تھا، حتی کہ انسان کو اللہ کی طرف سے جو پہلی ذمہ داری سونپی گئی وہ مرد اور عورت دونوں سے متعلق تھی، چنانچہ اللہ تعالی نے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت حوا علیہا السلام سے فرمایا تھا:

"**اسكن أنت وزوجک الجنة وكلا منها رغداً حيث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظالمين**" (بقرہ:۳۵) (تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں سے سیر ہو کر جو چاہو کھاؤ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم ظالم ہو جاؤ گے)۔

اس موقع پر ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلام کے ثابت نصوص یعنی قرآن کریم یا صحیح حدیث میں کوئی ایک بھی ایسی دلیل نہیں ہے جس کی بنیاد پر جنت سے آدم کے اخراج کے لئے اور ان کے بعد ان کی اولاد کی بدبختی کے لئے عورت کو ذمہ دار قرار دیا جائے، جیسا کہ عہد نامہ قدیم کے صحیفوں کا بیان، بلکہ قرآن تو صاف طور پر کہتا ہے کہ اس غلطی کے حقیقی ذمہ دار حضرت آدم تھے:

"**ولقد عهدنا إلى آدم من قبل فنسي ولم نجد له عزماً**" (طہ:۱۱۵) (اور ہم نے آدم سے پہلے ہی ایک عہد لیا تھا لیکن وہ اس کو بھول گیا اس طرح ہم نے اس میں عزم کی پختگی نہیں پائی)۔

"وعصی آدم ربه فغوی ثم اجتباه ربه فتاب علیه وهدی" (طہ:۱۲۱-۱۲۲)
(اورآدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گیا، پھر اس کے رب نے اسے برگزیدہ کیا اور اس کی توبہ قبول کر لی اور اسے ہدایت بخشی)۔

لیکن افسوس کہ بعض مسلمانوں نے بھی عورتوں پر بڑے مظالم ڈھائے ہیں، ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے، اور عورتوں کو اس مقام ومرتبہ سے محروم کر دیا ہے جو شریعت نے ان کو انسان، صنف نازک، بیٹی، بیوی یا ماں کی حیثیت دیا تھا۔

سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس کے اوپر جو ظلم وزیادتیاں کی گئیں وہ دین کے نام پر کی گئیں، حالانکہ دین کا اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کر دی کہ آپ ﷺ نے خواتین کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ "شاوروھن وخالفوھن" (ان سے مشورہ کرو اور ان کے مشورہ کے برعکس کرو)، حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے، علمی لحاظ سے اس کی کوئی حیثیت اور وزن نہیں ہے۔

یہ روایت اس حقیقت کے باوجود نقل کی جاتی ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کے ایک اہم معاملہ میں حضرت ام سلمہؓ سے مشورہ کیا تھا اور انہوں نے جو مشورہ دیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند کیا تھا اور برضا ورغبت اسے قبول واختیار کیا تھا اور اس میں خیر وبرکت پائی گئی تھی۔

ان لوگوں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کی طرف یہ قول منسوب کیا "عورت سراپا برائی ہے، اور اس کی بدترین برائی یہ ہے کہ وہ مرد کے لئے لازمی ہے"۔ حالانکہ یہ قول کسی بھی طرح قابل قبول نہیں ہے، نہ اسلامی فلسفہ کی رو سے اور نہ ہی اس کے نصوص کے لحاظ سے(۱)۔

۱- ہم نے اس مقولہ کو "فتاوی معاصرہ" پہلی جلد میں بالکل غلط ثابت کر دیا ہے، ملاحظہ ہو: ۴۲۱۔

اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ قرآن کریم نے المسلمین (مسلم مردوں) کے ساتھ المسلمات (مسلم عورتوں)، المؤمنین کے (مومن مرد) المؤمنات (مومن عورتو) اور القانتین (.....) کے ساتھ القانتات (.....) کا تذکرہ کیا ہے؟

ایسے لوگوں کا کہنا کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے، لہذا اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ شوہر اور محرم کے علاوہ کسی مرد سے بات کرے، اس لئے کہ اس کی آواز طبعی طور پر نازک اور فتنہ خیز ہے اور دل میں شہوت بھڑکاتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہم نے ان سے دلیل طلب کی تو ان کے پاس اس کی ایسی کوئی دلیل نہیں ملی جس پر اعتماد و بھروسہ کیا جا سکے اور اسے مستند قرار دیا جا سکے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس بات سے بے خبر ہیں کہ قرآن کریم نے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے پردہ کے پیچھے سے سوال کرنے کی اجازت دی ہے، حالانکہ ان کے معاملے میں بڑی سختی تھی، یہاں تک کہ ان کے اوپر ان امور کو بھی حرام قرار دیدیا گیا تھا جو دوسروں کے لئے حرام قرار نہیں دیے گئے تھے اس کے باوجود اللہ تعالی نے فرمایا:

"**وإذا سألتموهن فاسئلوهن من وراء حجاب**" (الاحزاب:۵۳) (اور جب تم ان سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرو تو پردہ کے پیچھے سے سوال کیا کرو)، اور سوال کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا جواب دیا جائے، اور امہات المومنین یہ کام کرتے ہوئے مسئلہ دریافت کرنے والے کو مسئلہ بتاتیں اور کوئی ان سے حدیث سننے کا خواہش مند ہوتا تو وہ حدیث بھی روایت کرتی تھیں۔

اور مردوں کی موجودگی میں عورتیں رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتی تھیں اور اس میں انہیں کوئی غلطی محسوس نہیں ہوتی تھی اور نہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو کبھی اس سے روکا۔

ایک عورت نے تو حضرت عمرؓ کی رائے کو اس وقت رد کر دیا تھا جب آپؓ منبر پر خطبہ

دے رہے تھے اور آپؓ نے اس کی نکیر نہیں کی بلکہ اس کی عمدہ رائے کی تعریف کی اور خود اپنی غلطی تسلیم کی، اور فرمایا: "**كل الناس أفقه من عمر**" (عمر کے مقابلہ میں ہر آدمی زیادہ سمجھدار ہے)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سورہ قصص میں مذکورہ ایک بوڑھے شخص (حضرت شعیبؑ) کی جوان بیٹی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتی ہے: "**إن أبي يدعوك ليجزيك أجر ما سقيت لنا**" (القصص:۲۵) (میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کی اجرت آپ کو دیں)، اسی طرح اس سے پہلے اس لڑکی نے اور اس کی بہن نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت بات کی تھی جب آپ نے ان سے پوچھا تھا: "**ما خطبكما قالتا لا نسقي حتى يصدر الرعاء وأبونا شيخ كبير**" (القصص:۲۳) (تمہارا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ لے جائیں، اور ہمارے والد ایک بوڑھے آدمی ہیں)۔

اسی طرح قرآن کریم نے وہ بات چیت بھی نقل کی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے درمیان ہوئی تھی، اسی طرح وہ گفتگو بھی قرآن مجید نے نقل کی ہے جو ملکہ سبا اور اس کی قوم کے مردوں کے درمیان ہوئی تھی۔

صحیح قول کے مطابق اصول یہ ہے کہ ہم سے پہلے کی شریعت ہمارے لئے بھی شرعی قانون کا درجہ رکھتی ہے جب تک کہ ہماری شریعت نے اس کو منسوخ کر دیا ہو۔

اس حوالہ سے جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ آواز کی ایسی نزاکت اور تصنع ہے جس سے مقصود مردوں کو رجھانا اور ان کے اندر شہوانی جذبات بھڑکانا ہو، اسی کو قرآن کریم نے "الخضوع بالقول" سے تعبیر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

"**يا نساء النبي لستن كأحد من النساء إن اتقيتن فلا تخضعن بالقول**

فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفاً'' (الاحزاب:۳۲) (اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کیا کرو)۔

اس طرح یہاں جس چیز سے روکا گیا ہے وہ ہے ایسی دبی زبان سے بات کرنا جس سے شہوانی جذبات کے اسیروں کے دلوں میں غلط ارادے پیدا ہونے لگیں، میں مردوں سے کلی طور پر بات کرنے کی ممانعت نہیں ہے، جیسا کہ آیت کے آخری فقرہ سے ظاہر ہے ''**وقلن قولا معروفاً**'' (صاف سیدھی بات کیا کرو)۔

ایسے ہی جن احادیث سے لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے ان میں ایک امام بخاری کی روایت کی ہوئی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے پیچھے مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ ضرر رساں کوئی اور فتنہ نہیں چھوڑا۔

اسی بنا پر لوگوں میں وہم پیدا ہو گیا یا وہم پیدا کر دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں فتنہ سے مراد یہ ہے کہ عورتیں شر، بلا یا ایسی مصیبت ہیں جن میں انسان اسی طرح مبتلا کر دیا جاتا ہے جس طرح فقر، مرض بھوک وفاقہ اور خوف میں مبتلا کیا جاتا ہے لیکن وہ ایک اہم چیز سے غافل رہے کہ انسان کو مصائب کے مقابلہ میں نعمتوں کے ذریعہ زیادہ فتنوں میں مبتلا کیا جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ''**ونبلوکم بالشر والخیر فتنة**'' (الانبیاء:۳۵) (اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تمہاری آزمائش کر رہے ہیں)۔ اس سلسلے میں قرآن کی رو سے اموال اور اولاد سے بڑھ کر کوئی ایسا فتنہ نہیں جس سے بچا جائے، کیوں کہ یہی دونوں عظیم دنیوی آسائش ونعمت ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: ''**إنما أموالکم وأولادکم فتنة**'' (التغابن:۱۵) اور ''**واعلموا أنما أموالکم وأولادکم فتنة**'' (الانفال:۲۸)۔

ان کا فتنہ یہ ہے کہ وہ انسان کو اللہ تعالی کے تئیں اپنے فرائض سے غافل کر دیتی ہیں اور

اپنے راستہ سے بھٹکا دیتی ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"**یاأیها الذین آمنوا لا تلهکم أموالکم ولا أولادکم عن ذکر الله ومن یفعل ذلک فأولئک هم الخاسرون**" (المنافقون:۹) (اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارے میں رہنے والے ہیں)۔

جس طرح لوگوں کے بارے میں یہ خوف واندیشہ رہتا ہے کہ وہ اموال واولاد کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوجائیں اسی طرح ان کے بارے میں یہ خوف اور اندیشہ بھی ہے کہ وہ عورتوں کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوجائیں کہ عورتیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور جہاد کے سلسلہ میں ان کی حوصلہ شکنی نہ کردیں، اور عمومی فرائض سے روک کر ذاتی مصلحتوں میں مشغول نہ کردیں، اس سے آگاہ کرتے ہوئے قرآن مجید نے کہا ہے:

"**إن من أزواجکم وأولادکم عدوا لکم فاحذروهم**" (التغابن:۱۴)

(تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں لہذا تم ان سے ہوشیار رہو)۔

ان کے حوالہ سے لوگ اس وقت فتنے میں پڑتے ہیں جب عورتیں ان کے دلوں میں خواہشات نفسانی کو بھڑکانے اور شہوت کو ابھارنے کا سبب بن جائیں، اور یہ بہت بڑا خطرہ ہے جس کے نتیجہ میں اخلاق کی بربادی، خواہشات میں مبتلا ہونے اور خاندان وسوسائٹی کی شکست وریخت کا اندیشہ پیدا ہوجاتا ہے۔

یہاں عورتوں سے ہوشیار رہنے کا مطلب وہی ہے جو مال، خوش حالی اور اسباب عیش وآرام کی نعمتوں سے ہوشیار رہنے کا ہے، اور یہی بات صحیح حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا:" اللہ کی قسم! میں تمہارے بارے میں فقر وفاقہ سے اندیشہ نہیں کرتا لیکن مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ دنیا کے دہانے تم پر اس طرح کھول دیئے جائیں جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر کھولے گئے تھے پھر تم اس میں اس طرح ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کرنے لگو جیسا کہ

انہوں نے کیا پھر یہ چیزیں کہیں تمہیں بھی اسی طرح ہلاکت میں مبتلا نہ کردیں جس طرح انہیں مبتلا کیا تھا(۱)۔

اس حدیث کا مطلب کوئی بھی یہ نہیں لیتا کہ رسول اللہ ﷺ فقر وفاقہ کو پھیلانے کی کوشش کرتے تھے آپ نے تو اس سے پناہ مانگی ہے اور اس کو کفر کے قریب پہنچادینے والا قرار دیا ہے، اور نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی امت کے لئے دنیا کی وسعت وسہولت اور مال ودولت کو ناپسند فرماتے تھے، بلکہ آپ نے فرمایا: مرد صالح کے لئے مال صالح کیا ہی اچھی چیز ہے(۲)۔

ان حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے درحقیقت مسلم فرد ومعاشرہ کو خطرات سے آگاہ کیا ہے، کہ کہیں ان کے قدم نہ پھسل جائیں، اور نادانستہ طور پر کہیں کسی گڑھے میں نہ گر جائیں۔

۱- متفق علیہ براویت عمرو بن عوف الانصاری۔

۲- مسند احمد ۴/ ۱۹۷، ۲۰۲، مستدرک حاکم ۲/ ۲، حاکم اس حدیث کو مسلم کی شرائط پر صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے بھی ان سے اتفاق کیا ہے۔

مرد وعورت کا ایک دوسرے کو دیکھنا

سوال: ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مرد کے عورت کو دیکھنے یا عورت کے مرد کو دیکھنے کے حوالے سے کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز؟ بطور خاص مسئلے کا دوسرا جز یعنی عورت کا مرد کو دیکھنا، ہم نے بعض واعظوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ عورت کے لئے مرد کی طرف شہوت یا بے شہوت کے دیکھنا ناجائز ہے، وہ اس سلسلے میں دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔

اول یہ کہ نبی ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے سوال کیا ''عورت کے لئے سب سے اچھی بات کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور نہ ہی کوئی مرد اس کو دیکھے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشانی چوم لی، اور فرمایا: ''**ذرية بعضها من بعض**'' اولاد اور بھی ماں باپ کی طرح ہوتی ہیں (۱)۔

اور دوسری حضرت ام سلمہؓ کی حدیث ہے، فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھی اور آپ کے پاس میمونہ بھی تھیں اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم تشریف لے آئے، اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ہمیں حجاب کا حکم دیا جا چکا تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم دونوں پردہ کرو، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ تو نابینا ہیں، نہ تو وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں نہ پہچان سکتے ہیں؟ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم بھی اندھی ہو گئی ہو اور انہیں نہیں دیکھ سکتیں؟! (۲)۔

اب عورت کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کسی مرد کو نہ دیکھے اور نہ ہی اس کو کوئی مرد دیکھے، خاص طور سے ہمارے موجودہ زمانہ میں یہ اور مشکل ہے؟ اور اگر یہ حدیثیں صحیح بھی ہیں تو

۱- اس حدیث کا حوالہ عنقریب آئے گا۔

۲- ابوداؤد، ترمذی، ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔

ان سے مراد کیا ہے؟

میں امید کرتی ہوں کہ آپ میرے خط سے بے اعتنائی نہ برتیں گے اور اس موضوع پر ایسی روشنی ڈالیں گے کہ اس مسئلے میں الجھے ہوئے مردوں اور عورتوں کے لئے حقیقت واضح ہو جائے گی اور گتھی سلجھ جائے گی کہ لوگ ان جیسے معاملات میں بحث ومباحثہ کرتے اور لڑتے جھگڑے رہتے ہیں، **جزاکم اللہ ووفقکم اللہ**

ایک اسلامی بہن

جواب: اللہ تعالی نے تمام جانداروں کو جوڑوں کی شکل میں پیدا کیا ہے بلکہ پوری کائنات کو جوڑوں میں پیدا کیا ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا: ''**سبحان الذی خلق الأزواج کلها مما تنبت الأرض ومن أنفسهم ومما لا یعلمون**'' (یٰس:۳۶) (پاک ہے وہ ذات جس نے جملہ اقسام کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی نباتات سے ہوں یا خود ان کی اپنی جنس میں سے یا ان چیزوں میں سے جن کو یہ جانتے تک نہیں)، اور فرمایا: ''**ومن کل شئ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون**'' (الذاریات:۴۹) (اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں تا کہ تم اس سے سبق لو)۔

اور اسی عام تخلیقی اصول کے مطابق انسان کو جوڑوں کی شکل میں کی شکل میں پیدا کیا گیا تا کہ حیات انسانی کا سلسلہ جاری رہے، انسان پھلتے پھولتے اور منزل تک پہنچتے رہیں، اور ان میں سے ہر ایک میں دوسرے کے لئے کشش رکھی گئی ہے، یہ اللہ کا وہ قانون ہے جس کے مطابق اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

جب اللہ تعالی نے آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کے لئے خود انہی کی پسلی سے ان کا جوڑا پیدا کیا، تا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے سکون حاصل کریں، کیوں کہ اس کی بنائی ہوئی فطرت کے مطابق وہ تنہا خوشی حاصل نہیں کر سکتے تھے اگر چہ وہ جنت میں ہی کیوں نہ ہوتے اور وہاں پوری شکم

سیری کے ساتھ جیسے دل چاہے کھاتے رہتے۔

اللہ تعالی کی طرف سے پہلی ذمہ داری بیک وقت آدم اور ان کی بیوی دونوں پر یہ ڈالی گئی:

"**یا آدم اسکن أنت وزوجک الجنة وکلا منها رغداً حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظالمین**" (البقرہ:۳۵) (اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور دونوں اس میں بفراغت جہاں سے چاہو کھاؤ، اور اس درخت کے قریب بھی مت آنا کہ اس صورت میں تم ظالم قرار دیے جاؤ گے)۔

پھر وہ دونوں جنت میں ایک ساتھ رہے اور جس درخت سے منع کیا گیا تھا اس سے دونوں نے ایک ساتھ کھایا، دونوں نے اللہ سے ایک ساتھ توبہ کی، اور زمین پر دونوں ایک ساتھ اترے اور اللہ کی طرف سے دونوں پر ایک ساتھ ذمہ داریاں ڈالی گئیں:

"**قال اهبطا منها جمیعا بعضکم لبعض عدو فإما یأتینکم منی هدی فمن اتبع هدای فلا یضل ولا یشقی**" (طہ:۱۲۳) (اور فرمایا تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے، اب اگر میری طرف سے تمہیں کوئی ہدایت پہنچے تو جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ بھٹکے گا نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا)۔

اس کے بعد سے زندگی کا سلسلہ جاری ہے، نہ مرد عورتوں سے بے نیاز ہیں اور نہ ہی عورتیں مردوں سے مستغنی ہیں کہ **بعضکم من بعض** (آل عمران:۱۹۵) (سب ایک دوسرے سے ہیں) اس طرح دین و دنیا کی ذمہ داریاں ان دونوں کے درمیان مشترک ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ مرد عورتوں سے اس طرح سے علاحدہ اور تنہا رہ لیں گے کہ نہ مرد عورتوں کو دیکھیں اور نہ ہی عورتیں مردوں کو دیکھیں، سوائے اس صورت کے کہ وہ فطرت کے دائرہ سے نکل جائیں اور زندگی کے تقاضوں سے دور ہو جائیں، جیسا کہ رہبانیت میں

کیا گیا تھا جس کو نصاری نے اپنی طرف سے گڑھ لیا تھا اور اس سلسلہ میں اپنے اوپر اتنی سختیاں کی تھیں کہ جن کی اجازت نہ فطرت سلیمہ دیتی ہے اور نہ ہی شریعت معتدلہ، یہاں تک کہ وہ عورت کے سائے سے بھی دور بھاگتے تھے خواہ وہ اپنی ماں یا بہن ہی کیوں نہ ہو، اسی لئے انہوں نے اپنے اوپر شادی کو حرام قرار دے لیا تھا اور مومن کے لئے مثالی زندگی اس کو قرار دیا تھا جس میں کسی طرح بھی کوئی مرد کسی عورت سے یا کوئی عورت کسی مرد سے نہ ملے۔

اسی طرح یہ بھی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ عورت مردوں سے مکمل علاحدگی کے ساتھ تنہا زندگی گذار لے گی اس لیے کہ زندگی کا مدار دونوں کے دنیوی واخروی امور کی بابت باہمی تعاون پر قائم ہے:

"**والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض**" (توبہ:۷۱) (مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں)۔

ہم نے ایک دوسری جگہ ذکر کیا ہے کہ قرآن نے عورت کو گھر کے اندر اس طرح رہنے کو کہ وہ اس سے نکلے ہی نہیں ان عورتوں کے لئے بنایا تھا جو علانیہ فحش عمل کا ارتکاب کریں اور ان کے خلاف چار لوگوں کی گواہی ثابت ہو، یہ سزا اس وقت کی تھی جب اس جرم کے لئے معروف حدود جاری کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اللہ تعالی نے فرمایا: "**واللاتی یأتین الفاحشة من نسائکم فاستشهدوا علیهن أربعة منکم فإن شهدوا فأمسکوهن فی البیوت حتی یتوفاهن الموت أو یجعل الله لهن سبیلاً**" (نساء:۱۵) (تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھر میں بند رکھو، یہاں تک کہ انہیں موت آجائے یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے)۔

اسی طرح مرد وزن کو ایک دوسرے کی ضرورت کے ساتھ یہاں ایک اور حقیقت کا ذکر

مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالی نے دونوں جنسوں میں ہر ایک کے لیے کشش کی صلاحیت اور ایک دوسرے کی طرف شہوانی میلان کا جذبہ رکھا ہے۔ اسی وجہ سے وہ ملتے ہیں، نسلیں چلتی ہیں اور نوع انسانی کی بقا ہوتی ہے اور زمین پر آبادی اور تعمیر وترقی ہوتی ہے۔

اس لئے جب بھی ہم مرد کے عورت کے ساتھ اور عورت کے مرد کے ساتھ تعلق کے بارے میں بات کریں تو اس حقیقت کو ہرگز فراموش نہ کرنا چاہئے۔ اور بعض لوگوں کے ذریعہ اپنے نفس کے بارے میں کئے جانے والے اس دعوے کو قبول نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے اندر شہوت اپنے اثرات نہیں جماپاتی یا ان کے اندر فطرت مغلوب رہتی ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم عورت کے مرد کو دیکھنے اور مرد کے عورت کو دیکھنے کے مسئلے پر غور کریں۔

عورت کی طرف دیکھنا:

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے ہم نے نقاب کے وجوب وعدم وجوب سے متعلق خصوصی فتوے میں تفصیل سے بحث کی ہے اور ان جمہور علماء کے قول کو ترجیح دی ہے جنہوں نے ارشاد باری تعالی: "**ولا یبدین زینتھن إلا ما ظھر منھا**" (النور:۳۱) (اور وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں، بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے) کی تفسیر یہ کی ہے کہ جو زینت ظاہر ہوتی ہے وہ چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں اور یہ کہ امام ابوحنیفہ اور علامہ مزنی کے نزدیک عورت اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں بلکہ دونوں پیروں کو بھی ظاہر کرسکتی ہے۔

اب جب عورت اپنے جسم کے ان حصوں کو کھولے گی تو اس کی طرف دیکھنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جہاں تک پہلی نظر کا تعلق ہے تو ضرورت کے تحت اس سے بچاؤ ممکن نہیں ہے، البتہ دوسری نظر کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

جو چیز منع ہے وہ بلا شبہ شہوت وتلذذ کی نظر ہے وہ شر اور خطرہ کا موقع ہے، اسی لئے کہا گیا ہے "**النظرة بريد الزنى**" نظر زنا کی قاصد ہے۔

شوقی نے کیا خوب کہا ہے:

نظرة فابتسامة فسلام فكلام فموعد فلقاء

(پہلے نظر ملتی ہے پھر تبسم ہوتا ہے، پھر سلام ہوتا ہے، پھر کلام ہوتا ہے، پھر وعدہ ہوتا ہے، پھر ملاقات ہو جاتی ہے)۔

ظاہر نہ ہونے والی زینت جیسے بال، گلا، کمر، پنڈلیاں اور بازو وغیرہ کی طرف دیکھنا غیر محرم کے لئے متفقہ طور پر ناجائز ہے۔ اس سلسلہ میں دو اصول ہیں جو اس معاملہ میں اور اس سے متعلق امور میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔

اول: ممنوع ضرورت کے وقت مباح ہو جاتا ہے جیسے دوا علاج، اور ولادت وغیرہ کی ضرورت وحاجت، اسی طرح جرم وقصور وغیرہ کے مقدمہ میں تحقیق، جن کی ضرورت ہو اور یہ ضرورت انفرادی یا اجتماعی طور پر یقینی ہو۔

دوسرے یہ کہ فتنہ کے خوف کے وقت مباح ممنوع ہو جاتا ہے چاہے وہ خوف مرد کے لئے ہو یا عورت کے لئے اور یہ جب ہے کہ اس پر دلائل قائم ہو چکے ہوں، ہر شخص اور ہر چیز میں صرف خوف واندیشہ اور شک ظاہر کرنے والوں کے خیالات وتوہمات ہی پر یہ فتنہ مبنی نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کے موقع پر ایک خثعمی خاتون کی طرف دیکھنے پر اپنے چچیرے بھائی فضل بن عباس کی گردن موڑ دی اور ان کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا جب وہ دیر تک اس عورت کی طرف دیکھتے رہے اور بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباس نے آپ سے سوال کیا تم نے اپنے چچیرے بھائی کی گردن کیوں موڑ دی؟ آپ نے فرمایا: میں نے ایک نوجوان مرد اور ایک نوجوان عورت کو دیکھا تو مجھے ان دونوں کے بارے میں شیطان

سے اندیشہ ہوا۔

بلاشبہ یہ خوف واندیشہ ہر شخص کے لئے ہر جگہ کے لئے اور ہر دور وزمانہ کے لئے او رہر حال کے لئے دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں تعمیم اور اطلاق مناسب نہیں بلکہ حالات ومواقع کی رعایت ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

فتنہ کے خوف واندیشہ کا تعلق ایک مسلمان کے ضمیر اور اس کے قلب سے ہے جس سے اس طرح کے مسائل میں فتوی لینا ضروری ہے، اور مسلمان پر لازم ہے کہ اس کی آواز پر دھیان دے چاہے لوگ اسے کچھ فتوی دے رہے ہوں اور وہ لوگوں کو کچھ بھی فتوی دے رہا ہو۔

البتہ جب قلب سلیم ہوتا ہے تو نہ اس پر شہوت غالب آتی ہیں نہ شبہات اس میں فساد پیدا کرتے ہیں اور نہ ہی اس میں غلط افکار جگہ پاتے ہیں۔

عورت کا مرد کی طرف دیکھنا:

جہاں تک سوال کا دوسرا حصہ ہے جو عورت کے مرد کی طرف دیکھنے سے متعلق ہے اس کے حوالہ سے اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ستر کی طرف دیکھنا چاہے شہوت کے ساتھ ہو یا بغیر شہوت کے ہو حرام ہے، ہاں اگر اچانک بغیر کسی قصد وارادے کے نظر پڑ جائے تو الگ بات ہے۔ یہی بات حدیث صحیح میں اس طرح آئی ہے: جریر بن عبداللہ نے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک پڑنے والی نظر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''اپنی نظر پھیر لو'' (مسلم)۔

لیکن یہاں یہ بحث رہ جاتی ہے کہ مرد کا ستر کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مرد کی دونوں شرم گاہیں نہایت سخت ستر ہے، ان کے کھولنے یا ان کی طرف دیکھنے کے حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے، الا یہ کہ علاج وغیرہ کی کوئی ضرورت ہو، یہاں تک کہ اگر یہ کسی ایسی چیز سے ڈھکی ہوئی ہوں جس سے ان کے نشیب وفراز کا مکمل اندازہ ہو، یا اس میں سے یہ جھلک رہی ہوں

تو شرعی طور پر وہ ممنوع ہے۔

اور اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ دونوں رانیں ستر کا حصہ ہیں اور یہ کہ مرد کا ستر ناف سے گھٹنہ تک ہے، اور انہوں نے اس پر بعض ایسی احادیث سے استدلال کیا ہے جو جرح سے محفوظ نہیں ہیں، اور بعض نے ان کو حسن کہا ہے اور کبھی ان کے مجموعۂ طرق کی بنیاد پر انہیں صحیح قرار دیا ہے، اگر چہ فی نفسہ ان میں سے ہر ایک اس معاملہ میں قاصر ہے کہ حکم شرعی کے افادہ کے سلسلہ میں ان کو حجت قرار دیا جائے۔

بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ ران ستر میں شامل نہیں ہیں، وہ حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر اپنی ران کو کھولا تھا، اس رائے کو ابو محمد بن حزم نے راجح قرار دیا ہے۔

مالکیہ کا مذہب جو ان کی کتابوں میں درج ہے یہ ہے کہ مرد کا مخصوص ستر فقط سوءتان یعنی قبل اور دبر (پیشاب و پاخانے کی جگہ) ہیں اور یہ وہ ہیں کہ قدرت ہوتے ہوئے ان کے کھولنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

فقہاء محدثین نے باہم متعارض روایات کے درمیان حتی الامکان تطبیق یا ترجیح دینے کی کوشش کی ہے، چنانچہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کہا ہے ''باب ما یذکر فی الفخذ'' باب جو ران کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، اور ابن عباس و جرہد اور محمد بن جحش نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ ران ستر ہے اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ران کو کھولا، اور انس کی حدیث سند کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے اور جرہد کی حدیث میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے(۱)۔

۱- واضح رہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو صیغہ تضعیف ''روی'' کے ساتھ تعلیقاً بیان کیا ہے جو ان کے نزدیک اس کے ضعف پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ ترجمہ البخاری میں ذکر کیا گیا ہے۔

ران کو ستر بنانے والی احادیث:

امام شوکانی نے ''نیل الاوطار'' میں یہ توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حکایت حال ہے اس کا حکم عام نہیں ہے۔

جبکہ علامہ ابن قیم نے ''تہذیب سنن ابی داؤد'' میں کہا ہے:

''ان حدیثوں کے درمیان تطبیق کی راہ وہ ہے جو متعدد حنابلہ نے اختیار کی ہے یعنی ستر کی دو قسمیں ہیں، مخففہ اور مغلظہ، مغلظہ سوءتان یعنی قبل و دبر ہیں، اور مخففہ ران ہے اور یہ باتیں ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں کہ رانوں کو دیکھنے سے بچنے کی غرض سے نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ یہ ستر میں داخل ہیں اور عملاً ان کو کھولا کہ یہ ستر مخفف ہیں (واللہ اعلم)۔

اور اس میں کھلاڑیوں وغیرہ کے لئے رخصت ہے جن کے مشاغل و سرگرمیوں میں مختصر کپڑے پہننا لازم ہوتا ہے، ایسے ہی اسکاؤٹ اور موٹر سائیکل چلانے والوں کے لئے بھی، اگرچہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنی وسعت بھر عالمی تنظیموں کو اپنی دینی شناخت اور اقدار کا پابند بنائیں۔ اسی طرح تماشہ بینوں کے لیے بھی رخصت ہے کہ وہ ان کھلاڑیوں کو دیکھ سکتے ہیں۔

اس موقع پر اس امر کو پیش نظر رکھنا مناسب ہے کہ مرد کا جہاں تک ستر ہے اس کی طرف مرد اور عورت سب کے لئے دیکھنا حرام ہے اور یہ امر واضح ہے۔

البتہ جو اعضاء مرد کے ستر میں شامل نہیں ہیں جیسے اس کا چہرہ، بال، بازو، اور پنڈلیاں وغیرہ تو قول صحیح یہ ہے کہ ان کی طرف دیکھنا جائز ہے، جب تک شہوت یا فتنہ کا خوف شامل نہ ہو، یہ امت کے جمہور فقہاء کی رائے ہے اور یہی وہ رائے ہے جس پر دور نبوت اور اس کے بعد خیر القرون سے اب تک کے مسلمانوں کا عمل دلالت کرتا ہے اور اس پر وہ احادیث صحیحہ صریحہ دلالت کرتی ہیں جن میں کسی کو کوئی کلام نہیں ہے۔

بعض فقہاء نے عورتوں کے ذریعہ مردوں کو دیکھے جانے کو ممنوع قرار دیا ہے، ان

حضرات نے ان روایات سے استدلال ہے جن کا ذکر مذکورہ مسئلہ کی سائلہ نے اپنے سوال میں کیا ہے۔

ان میں جہاں تک حدیث فاطمہ کا تعلق ہے، علمی لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور احکام سے متعلق کسی کتاب میں مجھے یہ حدیث نہیں ملی اور نہ ہی کسی فقیہ نے اس سے استدلال کیا ہے، یہاں تک کہ جن شدت پسند لوگوں نے عورت کے مردوں کو دیکھنے سے منع کیا ہے انہوں نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا، البتہ امام غزالی نے ''الاحیاء'' میں اس کا ذکر کیا ہے، اور حافظ عراقی نے اپنی تخریج میں کہا ہے: بزار اور دار قطنی نے ''افراد'' میں علی کی روایت سے ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے(۱)۔

رہی دوسری حدیث تو اس کا رد اس مسئلہ کی بابت آراء کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے ابن قیم نے اس کا رد مختصر اور اچھے انداز میں کیا ہے۔

جہاں تک عورت کے مرد کی طرف دیکھنے کا سوال ہے اس میں دو رائیں ہیں:

ایک اس جگہ کو دیکھ سکتی ہے جو ستر نہیں ہے۔

دوسرے اس کے لئے مرد کی طرف اسی حد تک دیکھنا جائز ہے جہاں تک خود اس عورت کی طرف دیکھا جا سکتا ہے، یہ ابوبکر کی مختار رائے ہے اور یہ امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک ہے۔

جیسا کہ زہری نے نبہان سے اور انہوں نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے: ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھی تھی کہ ابن ام مکتوم نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ان سے پردہ کرو، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول وہ تو نابینا ہیں دیکھ نہیں سکتے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی اندھی ہو اور کیا تم دونوں بھی نہیں دیکھ

۱- انہوں نے اس کو کتاب النکاح کے باب آداب المعاشرت میں نقل کیا ہے اور ہیثمی نے مجمع الزوائد ۲/ ۲۰۲ میں درج کیا ہے اور کہا ہے اس کو بزار نے روایت کیا ہے، اور اس کے ایک راوی کا مجھے علم نہیں ہے۔

سکتیں؟ (ابوداؤد وغیرہ)۔

اور یہ کہ اللہ تعالی نے خواتین کو اپنی نظر نیچی رکھنے کا اسی طرح حکم دیا ہے جیسا کہ مردوں کو دیا ہے۔

اور اس وجہ سے بھی کہ خواتین بھی انسان کی ایک قسم ہیں لہذا مردوں پر قیاس کرتے ہوئے ان کے لئے دوسری نوع کی طرف دیکھنا اسی طرح حرام کیا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ نظر کو حرام قرار دینے والی چیز خوف فتنہ ہے، اور یہ اندیشہ عورت میں زیادہ پایا جاتا ہے، کہ اس میں شہوت کی شدت ہے اور عقل کی کمی ہے اس لئے اس کی طرف فتنہ تیزی سے بڑھتا ہے۔

ہماری دلیل رسول اللہ ﷺ کا فاطمہ بنت قیس سے یہ فرمانا ہے کہ تم ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گذارو وہ نابینا ہیں، تم وہاں اپنے کپڑے اتار کر رکھ سکتی ہو اور وہ تمہیں نہیں دیکھیں گے(۱)۔

اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ مجھے اس وقت اپنی چادر سے چھپائے ہوئے تھے جب میں حبشیوں کو مسجد میں کھیلتے ہوئے دیکھ رہی تھی (متفق علیہ)۔

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ عید کے خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد عورتوں کی طرف گئے تو انہیں نصیحت کی اور آپ کے ساتھ حضرت بلال بھی تھے، آپ نے انہیں صدقہ دینے کے لئے کہا۔

۱- متفق علیہ؛ مسلم کی روایت میں ہے: ''مجھے یہ ناپسند ہے کہ تمہارے اوپر سے تمہاری چادر کھسک جائے یا تمہاری پنڈلیاں کھل جائیں اور لوگ تمہارے جسم کے ان حصوں کو دیکھ لیں جن کا دکھنا تم پسند نہیں کرتیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ذریعے سہولت اور نرمی فراہم کرنی چاہی کہ وہ دن بھر اپنے پورے جسم کو کپڑوں سے لپٹے نہ رہیں جبکہ ام شریک کے پاس ملنے والے بکثرت آتے رہتے تھے، ادھر ابن ام مکتوم ان کو دیکھ نہیں سکتے تھے اس طرح کچھ تخفیف ممکن تھی۔

ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر عورتوں کو دیکھنے سے منع کیا جاتا تو مردوں پر حجاب واجب ہوجاتا جیسا کہ عورتوں پر واجب ہے تاکہ وہ مردوں کی طرف نہ دیکھیں(۱)۔

جہاں تک نبہان کی حدیث کا تعلق ہے تو امام احمد کہتے ہیں: نبہان نے دو عجیب حدیثیں روایت کی ہیں یعنی ایک یہ حدیث اور دوسری حدیث یہ کہ تم (عورتوں) میں سے کسی کا مکاتب غلام ہو تو اسے اس سے پردہ کرنا چاہئے، گویا کہ امام احمد نے نبہان کو حدیث میں ضعیف بتایا ہے، اس لئے کہ انہوں نے صرف اصول شریعت سے متصادم یہی دو حدیثیں ہی روایت کی ہیں۔

اور ابن عبدالبر نے کہا ہے، نبہان مجہول ہے، اس کا علم ہمیں بس زہری کے ذریعہ اس سے یہ روایت کرنے سے ہوا ہے اور حضرت فاطمہ کی حدیث صحیح ہے اس لئے اس کو مستدل بنانا ضروری ہے۔

پھر ایک احتمال یہ بھی ہے کہ نبہان کی حدیث رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے لئے خاص ہو، یہی بات امام احمد اور ابوداؤد نے کہی ہے۔

اثرم کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ سے کہا: کیا نبہان کی حدیث ازواج مطہرات کے لئے خاص اور فاطمہ کی حدیث تمام لوگوں کے لئے ہے، انہوں نے کہا: ہاں!(۲)۔

اور اگر ان دونوں حدیثوں میں تعارض مان لیا جائے تو ایسی اکیلی حدیث کے مقابلہ میں جس کی اسناد میں کلام کیا گیا ہو احادیث صحیحہ کو مقدم رکھنا زیادہ بہتر ہے(۳)۔

یہاں ایک اور بات رہ گئی ہے جس کی وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ جیسا کہ ہم نے

۱- اگر حجاب سے مقصود نقاب کا پہننا اور چہرہ کا چھپانا ہے تو یہ قابل بحث ہے اور ہم اس پر ''کیا نقاب واجب ہے؟'' فتوی میں تفصیل سے بحث کریں گے۔

۲- ابوداؤد نے حدیث روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ ازواج مطہرات کے لئے خاص ہے۔ کیا آپ فاطمہ بنت قیس کو ابن ام مکتوم کے پاس عدت گذارنے کو نہیں دیکھتے، دیکھئے سنن ابی داؤد حدیث: ۴۱۱۲۔

۳- المغنی لابن قدامہ ۶/ ۵۶۳-۵۶۴۔

مرد کے عورت کی طرف دیکھنے کی بحث کے دوران ذکر کیا اس دیکھنے میں تلذذ اور شہوت کی شمولیت نہ ہو ورنہ یہ حرام ہوگا، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے مومنات کو حکم دیا کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اسی طرح مردوں کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، ارشاد فرمایا: ''**قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلک أزكى لهم إن الله خبير بما يصنعون، وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن....**'' (نور: ۳۰-۳۱) (آپ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے پاکیزہ طریقہ ہے وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے اور مومن خواتین سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں)۔

صحیح بات یہ ہے کہ عورت مرد کو ابھارتی ہے اور اس کی شہوت کو حرکت دیدیتی ہے، یہ صفت عورت میں مرد سے زیادہ ہے، اور عورت کے اندر مرد کے لئے زیادہ جاذبیت اور کشش ہوتی ہے اور اکثر وہ مطلوب ہوتی ہے جبکہ مرد طالب ہوتا ہے لیکن ان سب باتوں سے اس کی نفی نہیں ہوتی ہے کہ مردوں میں بھی کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی جوانی اور خوبصورتی کی وجہ سے یا اپنی قوت اور مردانگی کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے عورتوں کی آنکھوں اور دلوں کے لئے پرکشش ہوتے ہیں، کہ بعض عورتوں کی آنکھیں ان کی طرف اٹھی رہ جاتی ہیں یا عورتوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم نے عزیز مصر کی بیوی کے یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہونے کا قصہ بیان کیا ہے کہ اس کی محبت نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا، یہاں تک کہ وہ مطلوب کی بجائے طالب بن گئی تھی اور اس نے کس طرح یوسف کو ورغلانے کی کوشش کی تھی اور کہا تھا ''آجا'' تب حضرت یوسف نے کہا: ''**معاذ الله**'' (یوسف: ۲۳)۔

اسی طرح قرآن نے ہمارے سامنے شہر کی عورتوں کی بابت یہ بیان کیا ہے کہ جب

انہوں نے پہلی مرتبہ اللہ کی جانب سے حضرت یوسف کو ملی ہوئی جوانی، خوبصورتی، خوبروئی اور طاقت کا مشاہدہ کیا تو: ''**فلما رأينه أكبرنه وقطعن أيديهن وقلن حاش لله ما هذا بشراً إن هذا إلا ملک كريم، قالت فذلكن الذى لمتننى فيه ولقد راودته عن نفسه فاستعصم ولئن لم يفعل ما آمره ليسجنن وليكوناً من الصاغرين**'' (یوسف:۳۱-۳۲) (جب ان عورتوں کی نگاہیں حضرت یوسف پر پڑیں تو وہ دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور بے ساختہ پکار اٹھیں، حاشا للہ یہ شخص انسان نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے، عزیز کی بیوی نے کہا دیکھ لیا یہ ہے وہ شخص جس کے معاملہ میں تم مجھ پر باتیں بناتی تھیں بے شک میں نے اسے رجھانے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا، اگر یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو قید کیا جائے گا اور بہت ذلیل وخوار ہوگا)۔

اس طرح جب کسی عورت کے اندر کسی مرد کو دیکھ کر نسوانیت کے جذبات حرکت کرنے لگتے ہیں، تو اس پر لازم ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھے، اور اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھنے لگے تا کہ فتنہ کے شائبہ سے بھی دور رہے، اور خطرہ اس وقت بڑھ جاتا ہے جب اس کے جواب میں مرد بھی رغبت وشہوت کی نظر سے دیکھنے لگے، یہی وہ نظر ہے جسے ''برید الزنا'' زنا کے ہرکارہ وقاصد کا نام دیا گیا ہے اور جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ابلیس کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، اور اس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

كل الحوادث مبداها من النظر ومعظم النار من مستصغر الشرر

(ہر حادثہ کی ابتدا نظر سے ہوتی ہے، اور اکثر آگ چھوٹی سی چنگاری سے شروع ہوتی ہے)۔

اس لئے سلامتی، چنگاریوں کی جگہ اور خطرات کے مواقع سے دوری میں ہے اور ہم اللہ سے دین ودنیا کی عافیت کی دعا کرتے ہیں، نسأل اللہ العافیۃ فی الدین والدنیا....آمین۔

عورتوں کوسلام کرنا

سوال: ہم یونیورسٹی کی طالبات ہیں، جب بھی کلاس میں ہمارے اساتذہ داخل ہوتے ہیں وہ ہمیں سلام کرتے ہیں اور ہم ان کے سلام جیسا ہی یا اس سے بہتر جواب دیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں ہمیں حکم دیا ہے: ''**وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها**'' (النساء:۸۶) (جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس کو اس سے بہتر طریقہ کے ساتھ جواب دو یا کم از کم اسی طرح)، اس لئے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ آیت کریمہ صرف مردوں ہی کے لئے نہیں ہے۔

لیکن ہمارے ایک فاضل استاذ نے اس معمول کی مخالفت کی، انہوں نے کبھی بھی ہمیں سلام نہیں کیا، یہاں تک کہ ہم میں سے ایک نے صراحت کے ساتھ ان سے سوال کرلیا، ڈاکٹر صاحب! آپ ہمیں سلام کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے جواب دیا کہ شرعاً عورتوں کو سلام کرنا ناجائز ہے اور عورت کی آواز کا بھی ہے۔

جب کہ وہ ہمارے استاذ کی وجہ سے ہم سے گفتگو کرتے ہیں اور ہم ان سے گفتگو کرتے ہیں، ہم سے وہ سوال کرتے ہیں اور ہم انہیں جواب دیتے ہیں، ہم ان سے سوال کرتے ہیں اور وہ جواب دیتے ہیں اور بہت سارے مسائل میں ہم ان سے بحث ومباحثہ کرتے ہیں، ان میں سے کسی بات پر انہوں نے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا، پھر صرف سلام ہی کیوں منع ہے؟ اور کیا یہ بات صحیح ہے کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے چاہے سلام کا جواب دینے کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو، یا اسی طرح کی کوئی اور بھلی بات ہو، اور غیر محرم مردوں سے خطاب میں مسلم خاتون کے لئے مطلوب

آداب کی رعایت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو؟

اس سلسلہ میں ہم شرعی حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں خواہ وہ ہماری فکر اور مذکورہ معمول کے مطابق ہو یا اس کے برعکس ہو، لیکن ضروری ہے کہ تشفی بخش دلائل کے ساتھ ہو، جس سے ہمیں شرح صدر ہو جائے، اور دل کا خلجان ختم ہو، جیسا کہ آپ کا معمول رہا ہے، اللہ تعالی آپ کے علم کو تمام مسلمانوں کے لیے نافع بنائے۔

قطر یونیورسٹی کی چند طالبات

جواب: سلام کو عام کرنے کے احکام والے عام نصوص میں غور وفکر کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے جیسا کہ احادیث کثیرہ میں کھانا کھلانے، سلام کو عام کرنے، صلہ رحمی اور رات کے وقت جب لوگ سوئے ہوں نماز پڑھنے کے لئے کہا گیا ہے، اور حدیث صحیح میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ بن جاؤ اور مومن نہیں بن سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے نہ بن جاؤ، کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتادوں کہ اگر تم اسے کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو؟ آپس میں سلام کو عام کرو (مسلم)۔

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے: "**وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها**" (النساء:۸٦) (جب کوئی تمہیں سلام کرے تو تم اس کو اس سے بہتر طریقہ پر جواب دو یا اسی طرح)۔

شارع کے خطاب کی بابت اصل یہ ہے کہ جب تک کوئی دلیل اس کے مخصوص ہونے کی نہ ہو وہ مردوں اور عورتوں سبھی کے لئے ہوتا ہے۔

لہذا اگر مسلم مرد کسی مسلم عورت کو سلام کرے تو قرآن کریم کی نص سے اس پر لازم ہے

کہ اس کے سلام کا جواب اس سے بہتر طریقہ پر دے یا کم از کم اس کے مثل ہی دے۔

اور اگر کوئی عورت کسی مرد کو سلام کرے تو اس پر واجب ہے کہ اس سے بہتر طریقہ پر یا کم سے کم اس کے مثل ہی جواب دے کیونکہ یہ نصوص عام اور مطلق ہیں کوئی ایسی دلیل وارد نہیں ہوئی ہے جو اس کو مخصوص یا مقید کرتی ہو۔

پھر جب کہ مردوں کے ذریعہ عورتوں کو اور عورتوں کے ذریعہ مردوں کو سلام کئے جانے کی مشروعیت کی بابت خاص نصوص ان عام نصوص کی تائید میں وارد ہوں تو پھر تو عام نصوص میں وارد حکم مزید مؤکد ہو جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ام ہانی بنت ابی طالب نبی ﷺ کی چچیری بہن فرماتی ہیں: میں فتح مکہ کے موقعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئی تو آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا جبکہ آپ کی صاحبزادی فاطمہ آپ کے لئے پردہ کئے ہوئے تھیں، میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے فرمایا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا میں ام ہانی بنت ابی طالب ہوں، فرمایا: خوش آمدید ام ہانی(۱)۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس عنوان کے تحت ایک باب قائم کیا ہے "**باب تسلیم الرجال علی النساء والنساء علی الرجال**"۔

حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ امام بخاری نے اس عنوان کے ذریعہ اس رائے کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے جو عبدالرزاق نے معمر سے انہوں نے یحی بن ابی کثیر سے نقل کی ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ اس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو سلام کریں۔

اور اس باب میں دو حدیثیں درج کی ہیں جن سے جواز ثابت کیا ہے۔

پہلی حضرت سہل کی حدیث ہے، فرماتے ہیں ایک بوڑھی خاتون تھیں وہ مدینہ میں واقع ایک کھجور کے باغ میں دعوت کرتیں اور چقندر منگوا کر اس کو ہانڈی میں ڈال کر پکاتیں، اس

۱- صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب امان النساء وجوارہن، یہ حدیث مسلم نے بھی روایت کی ہے لہذا متفق علیہ ہے۔

میں کچھ جو کے دانے پیس کر کے ڈالتیں، پھر جب ہم جمعہ کی نماز پڑھ کر ان کے یہاں جاتے تو انہیں سلام کرتے اور وہ ہمیں وہ کھانا پیش کرتیں۔

دوسری حدیثِ عائشہ ہے فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! یہ جبریل تمہیں سلام کررہے ہیں تو میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ(۱)۔

حافظ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں ایک اور حدیث وارد ہوئی ہے جو بخاری کی شرطوں کے مطابق نہیں ہے اور وہ حدیث اسماء بنت یزید ہے جو کہتی ہیں: نبی ﷺ ہم خواتین کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے ہمیں سلام کیا، اس حدیث کو ترمذی نے حسن قرار دیا ہے(۲)، لیکن یہ بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے اس لئے انہوں نے انہی حدیثوں پر اکتفا کیا جو ان کی شرط کے مطابق ہے۔

اس طرح کی ایک حدیث امام احمد نے بھی روایت کی ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے(۳)۔

اور ایک صحابی سے روایت ہے کہ مرد عورتوں کو سلام کرتے تھے اور عورتیں مردوں کو سلام نہ کرتی تھیں(۴)۔

لیکن اس کو ام ہانی کی مذکورہ بالا حدیث رد کرتی ہے جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ ان کے محرم نہیں تھے بلکہ ان

۱- اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ فرشتے آدمی نہیں ہیں میں کہتا ہوں کہ جبریل زیادہ تر کسی نہ کسی آدمی کی شکل میں آتے تھے۔

۲- اس حدیث کو ابوداؤد نے کتاب الادب میں نمبر ۵۲۰۴ پر، ترمذی نے کتاب الاستئذان میں نمبر: ۲۶۹۸ پر، ابن ماجہ نے کتاب الادب میں نمبر: ۳۷۰۱ پر اور دارمی نے باب فی السلام علی النساء: ۲/ ۱۸۹ پر درج کیا ہے۔

۳- فتح الباری ۱۱/ ۴۳ طبع السّلفیہ۔

۴- اس کو ابونعیم نے عمرو بن حریث سے موقوفا سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے جیسا کہ الفتح میں ہے۔

کے چچازاد بھائی تھے اور آپ نے ایک مرتبہ ان سے نکاح کا بھی ارادہ کیا تھا۔

اسی طرح امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ معاذ یمن پہنچے تو ان سے خولان کی ایک خاتون نے ملاقات کی، اس کے ساتھ اس کے بارہ بیٹے تھے، اس حدیث میں ہے: وہ عورت کھڑی ہوئی اور معاذ کو سلام کیا.....(۱)۔

اس حدیث کی سند میں شہر بن حوشب ہے، اس کے بارے میں کلام کیا گیا ہے لیکن اس سے اسیناسی دلیل لی جاسکتی ہے اگر چہ یہ تنہا دلیل کے لائق نہیں ہے اور اس کی حدیث کو ترمذی نے حسن قرار دیا ہے(۲)۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ بعض خواتین کے پاس تشریف لائے تو انہیں سلام کیا اور فرمایا میں تمہاری طرف رسول اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں....۔

یہ وہ روایتیں ہیں جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے عورتوں کو سلام کرنے اور عورتوں کے مردوں کو سلام کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

لیکن علماء کی ایک بڑی تعداد نے اس عمل کے سلسلہ میں فتنہ سے محفوظ ہونے کی قید لگائی ہے۔

حلیمی نے کہا ہے کہ: نبی ﷺ معصوم ہونے کی وجہ سے فتنہ سے محفوظ تھے، اس لئے جس کو اپنے نفس پر سلامتی کا یقین ہو وہ سلام کرے ورنہ خاموشی ہی زیادہ بہتر ہے۔

اور ملہب نے کہا ہے کہ مردوں کا عورتوں کو سلام کرنا اور خواتین کا مردوں کو سلام کرنا اس صورت میں جائز ہے جب فتنہ سے محفوظ ہوں۔

مالکیہ نے سدّ ذرائع (کسی خرابی سے پہلے خرابی کے اسباب سے بچنا) کے طور پر جوان اور بوڑھی عورتوں میں فرق کیا ہے۔

۱- حدیث؛ مسند احمد ۵/۲۳۹۔

۲- اور ہمارے زمانہ میں اس کو شیخ شاکر نے اپنی مسند کی تخریج میں صحیح قرار دیا ہے۔

اور بعض علماء نے جوانی کے ساتھ جمال کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اگر حسین ہے تو اس کے سلسلہ میں فتنہ کا زیادہ اندیشہ ہے، نہ اس کے لئے سلام کرنا جائز ہے نہ جواب دینا، جبکہ ربیعہ نے مطلق ہی منع کیا ہے۔

کوفیوں یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ خواتین کا مردوں کو سلام میں آغاز کرنا جائز نہیں ہے سوائے محرم کے کہ محرم مردوں کو خواتین کا سلام کرنا جائز ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ خواتین کو اذان واقامت اور قراءت بالجہر سے منع کیا گیا ہے(۱)۔

دوسرے علماء کی دلیل سہل کی حدیث ہے جس کو ہم نے بخاری کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ ایک خاتون کے پاس غیر محرم مرد صحابہ جاتے تھے اور ان کو وہ کھانا کھلاتی تھیں۔

یہ تمام اجتہادات خوف واندیشہ اور احتیاط کی زیادتی کی بنیاد پر ہیں جبکہ اس سلسلہ میں کوئی صحیح صریح نص نہیں ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اس قدر احتیاط کا معاملہ نہیں کرتے تھے۔

صحابہ وتابعین کے مصادر میں منقول عمل پر غور وفکر کرنے والا اسی نتیجے تک پہنچے گا کہ ان کی اکثریت خواتین کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتی تھی، خاص طور سے جب مرد ان سے ملاقات کے لئے جاتے تھے یا علاج یا تعلیم وغیرہ کے لئے جاتے تھے، بخلاف اس عورت کے جو مرد کو عام راستہ میں مل جائے کہ ایسی صورت میں اس کو سلام کرنا اچھا نہیں ہے جب تک کہ ان دونوں کے درمیان نسب، رحم یا سسرال وغیرہ کا کوئی مضبوط تعلق نہ ہو۔

اس موقع پر یہی کافی ہے کہ عورتوں کو سلام کرنے کے سلف کے معمول کو مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کر دیا جائے:

۱- ان اقوال کو حافظ نے فتح الباری میں بیان کیا ہے۔

انہوں نے اسماء بنت یزید والی وہ حدیث ذکر کرنے کے بعد جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم عورتوں کے پاس سے گذرے تو ہمیں سلام کیا، جریر کی سند سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ خواتین کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا(۱)۔

اور مجاہد سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت ابن عمر ایک خاتون کے پاس سے گزرے تو اسے سلام کیا۔

مجاہد سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمر خواتین کے پاس سے گزرے تو انہیں سلام کیا۔

ابن عیینہ سے روایت ہے وہ ابوذر سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عورتوں کو سلام کرنے کے بارے میں عطا سے سوال کیا تو انہوں نے کہا اگر وہ جوان ہوں تو سلام مت کرو۔

اور ابن عون سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد یعنی ابن سیرین سے کہا، کیا میں عورت کو سلام کروں؟ انہوں نے کہا مجھے اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

حسن سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے: مرد عورت کو سلام نہ کرے الا یہ کہ اس کے گھر میں داخل ہو تو اس کو سلام کرے۔

اور عبید اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: عمرو بن میمون خواتین اور بچوں کو سلام کرتے تھے۔

عمرو بن عثمان سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے موسی بن طلحہ کو دیکھا کہ وہ ایک جگہ بیٹھی ہوئی خواتین کے پاس سے گذرے تو انہیں سلام کیا۔

اور شعبہ کی روایت ہے کہ میں نے حکم اور حماد سے عورتوں کو سلام کرنے کے بارے میں سوال کیا تو شعبہ نے بوڑھی اور جوان دونوں کو سلام کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا، اور حکم نے کہا

۱- اس حدیث کو بیہقی نے مجمع الزوائد ۸/ ۳۸ میں احمد، ابویعلی، اور طبرانی کی روایت سے بیان کیا ہے۔

کہ شریح ہر ایک کو سلام کرتے تھے میں نے کہا عورتوں کو؟ انہوں نے کہا ہر ایک کو۔

اس کی ممانعت کرنے والوں کی سب سے زیادہ قوی دلیل اس ''فتنہ کا خوف'' ہے جس کے لئے مناسب یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان اس سے بچیں تا کہ اپنا دین اور اپنی عزت محفوظ رکھیں۔

اس کا تعلق مسلمان کے ضمیر اور اس کے اندازے سے ہے، اس لئے لازم ہے کہ خود اپنے دل سے فتوی طلب کرے، جو سوال زیر بحث ہے اس میں ہم اس سے مختلف صورت حال دیکھتے ہیں۔

جوان اور معمر عورتوں کے مجمع کو سلام کرنا ایک عورت کو کئے جانے والے سلام سے مختلف ہے۔

اور درسگاہ کے باوقار وسنجیدہ ماحول میں سلام کرنا راستہ وغیرہ میں سلام کرنے سے مختلف ہوتا ہے۔

استاذ کا اپنی طالبات کو سلام کرنا جبکہ اکثر وہ باپ کی عمر کا اور کبھی کبھی تو دادا کی عمر کا ہوتا ہے کسی عام شخص کے سلام سے مختلف ہوتا ہے۔

اس کی مزید تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جو استاذ سلام کرنے کو پرہیزگاری کے خلاف قرار دیتا ہے، وہ طالبات سے سوال کرنے اور ان کے سوال کرنے، ان کو جواب دینے اور ان کے جواب دینے کے بارے میں فتوی نہیں دیتا تو ان تمام باتوں کی اجازت اور صرف سلام پر پابندی کا کوئی مطلب نہیں ہوتا، اور اس موقع پر فتنہ کے خوف کی بات کرنا بھی کوئی معنی نہیں رکھتا؛ اس لئے کہ سلام درس ولیکچر کے دوران کلام و بحث ومباحثہ، ردوقدح سے زیادہ نہیں ہوتا۔

اگر سلام ترک کرنا ان طالبات کو وحشت میں مبتلا کرتا ہے اور معنوی اذیت پہنچاتا ہے تو اولی یہ ہے کہ تسکینِ قلب کے لئے اور اذیت سے بچانے کے لئے سلام کیا جائے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ عورت کی آواز کا پردہ ہے، تو مجھے تو اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور کسی معتبر امام نے یہ نہیں کہا ہے۔

یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اللہ تعالی نے نبی ﷺ کی ازواج کے سلسلہ میں فرمایا ہے:

"**وإذا سألتموهن متاعاً فاسئلوهن من وراء حجاب**" (الاحزاب:۵۳) (جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو وہ پردہ کے پیچھے سے جواب دیں اور حضرت عائشہ و دیگر امہات المومنین ایسا ہی کرتی تھیں، وہ سوال کرنے والوں کا جواب دیتی تھیں اور احادیث و سیرت رسول بیان کرتی تھیں باوجود یکہ دوسری عورتوں کے مقابلے میں ان کو زیادہ شدت کے ساتھ حکم دیا گیا تھا۔

بہت سی عورتیں نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں سوال بھی کرتی تھیں اور باتیں بھی کرتی تھیں۔

ایسے بیشمار واقعات اور مواقع رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پیش آئے کہ خواتین مردوں سے بات کرتی تھیں، سوال و جواب کرتی تھیں، بعض باتوں کو مانتی تھیں اور بعض باتوں کا رد کرتی تھیں اور سلام بھی کرتی تھیں، کلام بھی کرتی تھیں مگر کبھی کسی نے کسی عورت سے یہ نہیں کہا کہ تم خاموش رہو کہ تمہاری آواز کا پردہ ہے۔

مرد وعورت کا اختلاط

سوال: مرد وخواتین کے اختلاط کے سلسلے میں بہت سے اقوال اور فتاوی سامنے آتے رہتے ہیں۔

ہم دیکھ رہے ہیں ہمارے کچھ علماء دین عورت کے لئے اس امر کو واجب قرار دیتے ہیں کہ وہ مرتے دم تک کبھی بھی اپنے گھر سے نہ نکلے، یہاں تک کہ اس کے لئے مسجد جانے کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں، اور بعض تو فتنہ اور زمانہ کے بگاڑ کے ڈر سے اس کو حرام ہی قرار دیتے ہیں۔

وہ لوگ اس بارے میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے اس قول سے سند لیتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد عورتوں میں آنے والا بگاڑ آپ ﷺ کو معلوم ہو جاتا تو آپ ان کو مسجد میں جانے سے لازمی طور پر منع فرما دیتے۔

آپ کی نظر سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ عورت کو گھر سے باہر نکل کر معاشرہ وسوسائٹی میں جانے کی ضرورت رہتی ہے، تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی، کام کرنے کے لئے بھی اور زندگی کے نشیب وفراز میں شرکت کے لئے بھی، اور ان تمام مراحل میں کم وبیش اس کو مردوں کے ساتھ ہونا پڑتا ہے، مرد کبھی ہم سبق ہوتے ہیں، کبھی استاذ، یا شریک کار ہوتا ہے، کہیں وہ ذمہ داران ہوتا ہے تو کہیں ماتحت؛ اسی طرح علاج کے لئے بھی مرد ڈاکٹر کی ضرورت پڑتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

ان حالات میں سوال یہ ہے کہ کیا مردوں اور عورتوں کا ہر اختلاط ممنوع یا حرام ہے؟ اور عورتوں کے لئے ایک ایسے زمانہ میں جب کہ تعلقات بہت پیوستہ وپیچیدہ ہو چکے ہیں، مردوں کے بغیر رہنا کس طرح ممکن ہے؟ جبکہ عورت کو گھر کے پنجرہ میں قید کر دیا جانا بھی ممکن نہیں رہا ہے،

خواہ وہ پنجرہ سونے کا ہی کیوں نہ ہو کہ سونے کا گر قفس ہو لیکن قفس قفس ہے۔

جو کام عورتوں کے لئے مباح وجائز نہیں ہے وہ مردوں کے لئے کیونکر جائز ہوگا؟ آخر ایسا کیوں ہے کہ مرد کھلی ہوا سے فائدہ اٹھائے اور عورت کو اس سے محروم کر دیا جائے؟ آخر عورت ہی کے بارے میں بدگمانی کیوں؟ حالانکہ دین، عقل اور ضمیر کے لحاظ سے وہ مرد سے کم تر نہیں ہے، عورت کے پاس بھی مرد کی طرح غلطیوں سے روکنے والا دین ہے، عقل باز رکھتی ہے، بلا شبہ جس طرح اس کا نفس جو اس کو پستی کی طرف لے جاتا ہے اسی طرح اس کا ضمیر اس کا محاسبہ کرتا رہتا ہے، اور جس طرح عورت کے لئے شیطان ہے جو اس کے سامنے چیزوں کو مزین کر کے پیش کرتا ہے اور اس کو بے راہ رو کر دیتا ہے اسی طرح مرد کے لئے بھی مزین کرتا اور اس کو بھی صحیح راہ سے بھٹکا دیتا ہے۔

پھر عورت پر ہی اس سختی کا کیا راز ہے جو بدقسمتی سے اسلام کی طرف منسوب ہو جاتی ہے، اور مخصوص دینی حلقوں اور نظریات سے وابستہ لوگ اسے شرعی حکم کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس معاملہ کی وضاحت فرمائیں گے اور اس سلسلے میں صحیح رائے یا بالفاظ دیگر شرعی حکم یعنی کتاب وسنت کا حکم نہ کہ فلاں وفلاں کی رائے واضح فرمائیں گے۔

اللہ آپ کو مدلل طور پر حق بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

دینی حمیت رکھنے والا ایک مسلم

جواب: میں مستقل کہتا رہتا ہوں کہ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم اکثر سماجی وفکری مسائل میں افراط وتفریط سے کام لیتے ہیں، راہ اعتدال کو کم ہی اختیار کرتے ہیں جو کہ مسلم قوم اور اسلامی طریق کار کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

یہ بات زیر نظر مسئلہ میں اور اس دور کی مسلم خاتون کے تمام مسائل میں بالعموم بہت

ہی واضح ہے۔

اس سلسلہ میں عورت کے اوپر دو طرح کے لوگوں نے ظلم کیا ہے جو ایک دوسرے کے مقابل بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

۱- پہلا گروپ مغرب زدہ لوگوں پر مبنی ہے، جو عورت کو ان فاسد مغربی روایات کا پابند بنانا چاہتے ہیں، جو تمام اقدار (جن میں عظیم ترین قدر دین ہے) سے کنارہ کشی، فطرت انسانی سے اجتناب اور اس صراط مستقیم سے محرومی سے عبارت ہے جس کی وضاحت اور دعوت کے لئے اللہ نے اپنے رسول مبعوث کئے اور اپنی کتابیں نازل کیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ مسلم خاتون مغربی عورت کی مکمل پیروی کرنے لگے، جیسے حدیث نبوی میں یوں کہا گیا ہے: کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوتی تھی تو اس کے پیچھے یہ بھی داخل ہوگی خواہ یہ سوراخ کتنا ہی تنگ اور پر پیچ ہو اور اس میں کتنی ہی بدبو ہو، اس سب کے باوجود اگر مغربی عورت اس میں داخل ہوتی ہے تو اس کے پیچھے پیچھے مسلم خاتون بھی داخل ہو جائے یا بالفاظ دیگر: ایک نئی محبت ظاہر ہوگی جسے کچھ رواج دینے والے رواج دیں گے اسے ''گوہ کے بل کی محبت'' کہہ سکتے ہیں۔

یہ لوگ ان پریشانیوں سے بے خبر ہیں جو آج مغربی عورت کو درپیش ہے اور انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس حدود نا آشنا اختلاط کے کیسے برے نتائج عورت پر، مرد پر، خاندان پر اور پوری سوسائٹی پر پڑ رہے ہیں، یہ لوگ اس تہذیب سے بے زاری کی ان آوازوں سے اپنے کان بند کئے ہوئے جن کی گونج خود مغرب میں سنی جا رہی ہے، اسی طرح یہ ان ادباء و مفکرین کی تحریروں پر کان دھرنے کو تیار نہیں ہیں جن میں دونوں صنفوں کے درمیان اختلاط کو حدود نا آشنا کرنے کی وجہ پوری تہذیب پر اندیشے ظاہر کئے جا رہے ہیں۔

اس طرح یہ لوگ اس بات کو فراموش کر چکے ہیں کہ ہر امت کا اپنا ایک تشخص ہوتا ہے

جسے اس کے عقائد اور کائنات، زندگی، موجودات ورب موجودات کے تئیں اس کا تصور، اس کے اقدار اور اس کی روایات تشکیل دیتے ہیں، اور کسی بھی معاشرہ کے لئے دوسرے معاشرے کی کاپی بن جانا بالکل روا نہیں ہے۔

۲- دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو عورت پر دوسری روایات تھوپتے ہیں لیکن یہ روایات مشرق کی ہیں مغرب کی نہیں ہیں اگر چہ بسا اوقات ان کو دین کا رنگ دیدیا جاتا ہے اور اپنی فہم واپنی اختیار کردہ رائے کی بنیاد پر انہیں دین سے منسوب کر دیا جاتا ہے کیونکہ یہ عورت اس کے دین، عقل اور اس کے طرز زندگی کے بارے میں ان کی رائے اور ان کی بدگمانی سے مطابقت رکھتے ہیں۔

لیکن بہر حال انہیں ایک غیر معصوم بشر کی رائے ہی قرار دیا جائے گا جو اپنے ماحول مکان وزمان، اپنے بزرگوں اور حلقہ سے متاثر ہوتا ہے، یہ رائے ان دوسری آراء سے معارض ہے جو صریح قرآن عظیم سے، نبی کریم ﷺ کی ہدایت اور صحابہ کرام وخیر القرون کے طرز عمل پر مبنی ہیں۔

اس موقع پر میں اس امر پر توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مرد وخواتین کے تعلقات کے سلسلہ میں لفظ اختلاط اسلامی لغت واصطلاحات میں بعد کا داخل کیا ہوا ہے، ہماری پوری علمی تاریخ میں اس کا کہیں کوئی وجود نہیں ہے یہ صرف اس زمانہ میں سامنے لایا گیا ہے، غالبا یہ اس معنی میں ایک غیر عربی لفظ کا ترجمہ ہے جس کا مطلب ایک مسلمان کے احساسات کے لئے خوشگوار نہیں ہے۔

جبکہ اس سے تعبیر مرد وزن کے درمیان ''ملاقات''، یا ''شرکت'' ہے۔

بہر حال اسلام نے اس سلسلہ میں کوئی عام حکم نہیں دیا ہے، اس لئے اس مسئلہ کو اس کے مقصد یعنی اس سے وجود میں آنے والی مصلحت اور اس کے اندیشوں کو پیش نظر رکھ کر دیکھا

جائے گا اور یہ دیکھا جائے گا کہ یہ اختلاط کس طرح وجود میں آتا ہے، اور اس میں کن شرطوں کی رعایت کی جارہی ہے۔

ظاہر ہے اس سلسلہ میں سب سے بہتر ہدایت رسول اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین اور آپ کے نور ہدایت سے فیض یافتہ صحابہ کرام کی رہنمائی ہی ہوسکتی ہے۔

چنانچہ اس میں غور وفکر کرنے والے کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ اس وقت عورت نہ قید خانہ میں بند رہی ہے اور نہ ہی روزمرہ کی سرگرمیوں سے بے دخل جیسا کہ مسلمانوں کے زوال کے زمانے میں ہوا۔

وہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں جماعت میں بھی شریک ہوتی تھی اور جمعہ میں بھی، اگرچہ رسول اللہ ﷺ اس کو مردوں کی صفوں کے پیچھے اخیر کی صفوں میں رہنے کی ترغیب دیتے تھے، اور چونکہ اس زمانہ میں زیادہ تر مرد سلے ہوئے پائجامے وغیرہ استعمال نہیں کرتے تھے اس لئے اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں مردوں کے ستر نہ کھل جائیں اور مردوں وعورتوں کے درمیان کوئی دیوار یا لکڑی یا کپڑا وغیرہ حائل نہیں ہوتا تھا اس لئے خواتین کی صف مردوں سے جتنی دور اور پیچھے ہوتی اس کو افضل قرار دیا جاتا تھا۔

پھر ابتدائی زمانہ میں مرد وعورت کسی بھی دروازہ سے داخل ہوجاتے تھے جس کی وجہ سے آنے جانے کے وقت دروازہ پر بھیڑ ہوجاتی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہتر ہوگا کہ اس دروازہ کو خواتین کے لئے خاص کردو، اس طرح صحابہ نے ایک دروازہ خواتین کے لئے مخصوص کردیا جو آج تک ''باب النساء'' کے نام سے معروف ہے۔

خواتین دور نبوت میں جمعہ کی نماز میں شریک ہوتی تھیں، خطبہ سنتی تھیں یہاں تک کہ ایک صحابیہ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے خطبہ میں اتنی بار سورہ ''ق'' کو سنا کہ وہ انہیں زبانی یاد ہوگئی۔

اس طرح خواتین عیدین کی نماز میں بھی شریک ہوتی تھیں اور اسلام کے اس بڑے تہوار میں حصہ لیتی تھیں جس میں چھوٹے بڑے، مرد وخواتین شریک ہوتے اور ان کے کلمہ توحید وتکبیر کی صدائیں فضا میں گونج اٹھتی تھیں۔

مسلم نے ام عطیہ سے روایت کیا ہے: وہ کہتی ہیں کہ ہمیں، پردہ نشین خواتین کو بھی اور بچیوں کو بھی عیدین کے لئے نکلنے کا حکم دیا جاتا تھا۔

ایک روایت میں ہے: وہ کہتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے عواتق (۱) کو حیض والیوں کو اور پردہ کرنے والیوں کو لے جائیں۔ حیض والیاں نماز سے الگ رہیں لیکن وہ اس خیر کے کام میں موجود ہوں اور مسلمانوں کو کی جانے والی نصیحتیں سنیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ہم میں کچھ ایسی بھی ہیں جن کے پاس چادریں نہیں ہیں، آپ نے فرمایا ایسی عورتوں کو دوسری عورتیں چادریں دے دیں (۲)۔

اس سنت پر اکثر علاقوں میں اب عمل نہیں ہوتا ہے، عصر حاضر کی اسلامی بیداری کے علمبردار نوجوانوں نے اس کو دوبارہ قائم کیا ہے، ان لوگوں نے بہت سی متروکہ سنتوں کو پھر سے زندہ کیا ہے، جیسے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی سنت اور عید کی نماز میں عورتوں کی حاضری کی سنت۔ یہ سنت ابھی ان چند اسلامی ممالک میں ہی زندہ ہوئی ہے جن میں اسلامی بیداری مضبوط ہو چکی ہے۔

عورتیں مردوں کے ساتھ علمی مجلسوں میں حاضر ہوتی تھیں، اور دین کی بابت بہت سے ایسے سوالات کرتی تھیں جن سے آج کی بہت سی خواتین حیاء کریں گی، یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ نے تو انصاری خواتین کی اس بات پر تعریف کی ہے کہ انہیں حیا دینی علم کے حصول سے نہیں روکتی ہے، وہ بکثرت جنابت، احتلام، غسل، حیض اور استحاضہ جیسے امور کی بابت سوالات کرتی

۱- عواتق عاتق کی جمع ہے اس کا مطلب بالغ لڑکی یا قریب البلوغ لڑکی ہے۔

۲- یہ حدیث صحیح مسلم میں کتاب صلوۃ العیدین میں ہے اس کا نمبر ۸۲۳ ہے۔

تھیں۔

لیکن اس سے بھی ان کی پیاس نہیں بجھتی تھی، اس لئے کہ ایسی مجلسوں میں مرد موجود ہوتے تھے اور وہی آپ ﷺ کی زیادہ توجہ پاتے تھے، اس لئے انہوں نے آپ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ آپ ایک دن صرف ان کے ہی لئے خاص کر دیں، جس میں مرد ان پر غالب نہ ہوں، اس سلسلے میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے صراحۃً عرض کیا کہ: ''یا رسول اللہ، آپ کے حضور میں مرد ہم پر غالب رہتے ہیں اس لئے آپ اپنی جانب سے ایک دن ہمارے لئے متعین کر دیجئے'' آپ ﷺ نے ان سے ایک دن کا وعدہ فرمالیا، جس میں آپ نے ان سے ملاقات کی، ان کو نصیحت کی اور انہیں دینی احکام دیے(۱)۔

عورتوں کی یہ سرگرمیاں اتنی بڑھیں کہ انہوں نے اسلامی لشکر اور مجاہدین کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے ان جنگی سرگرمیوں میں بھی شرکت کی جن کو وہ اچھی طرح انجام دے سکتی تھیں، جیسے تیمارداری، مریضوں کا علاج معالجہ اور زخمیوں کا علاج، اس کے علاوہ وہ بعض دیگر خدمات بھی انجام دیتی تھیں، جیسے کھانا پکانا، پانی پلانا اور مجاہدین کو جن تمدنی چیزوں کی ضرورت ہوتی تھی ان کی تیاری۔

حضرت ام عطیہ سے روایت ہے کہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، مجاہدین میدان جنگ میں جاتے تو میں ان کے لئے کھانا بناتی، زخمیوں کا علاج اور مریضوں کی تیمارداری کرتی''(۲)۔

امام مسلم نے حضرت انس کی یہ روایت بیان کی ہے کہ: حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم احد کے دن اپنے پائینچے اٹھائے ہوئے تھیں، دونوں اپنی کمروں پر مشکیں لے کر آتیں اور زخمیوں

۱- حاشیہ: بخاری: کتاب العلم۔

۲- حاشیہ: مسلم؛ ۱۸۱۲۔

کو پانی پلاتیں اور جب مشکیں خالی ہو جاتیں تو پھر انہیں بھر کر لاتیں(۱)۔ اس موقعہ پر حضرت عائشہ کی موجودگی ان لوگوں کے دعوے کو رد کر دیتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ غزوات اور معرکوں میں صرف سن رسیدہ خواتین ہی شریک ہوا کرتی تھیں، اس لئے کہ اس وقت حضرت عائشہ عمر کی دوسری دہائی میں تھیں اور ایسے موقعوں پر جہاں بیک وقت جسمانی ونفسیاتی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے عمر دراز خواتین کا کیا کام؟۔

امام احمد نے روایت کیا ہے کہ خیبر کا محاصرہ کرنے والے لشکر میں چھ خواتین تھیں، وہ تیر اٹھاتیں، ستو پلاتیں، زخمیوں کا علاج کرتیں، اللہ کے راستہ میں تعاون کرتیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مال غنیمت کا ایک حصہ دیا تھا۔

بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابیات نے موقعہ ملنے پر اسلامی غزوات میں اسلحوں کے ذریعہ شرکت کی، حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب نے احد کے دن جو کارنامہ انجام دیا تھا وہ معروف ہے، ان کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''ان کا مقام فلاں وفلاں سے بہتر ہے۔''

اسی طرح حضرت ام سلیم نے حنین کے دن ایک خنجر اٹھالیا تھا، تاکہ ان کے قریب جو بھی کافر آئے وہ خنجر کے ذریعہ اس کا پیٹ پھاڑ دیں۔

امام مسلم نے ان کے صاحبزادہ حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ: ام سلیم نے غزوۂ حنین کے موقع پر ایک خنجر اٹھالیا تھا، جو ان کے ساتھ تھا، (ان کے شوہر) حضرت ابوطلحہ نے یہ دیکھا تو رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: یارسول اللہ یہ دیکھئے ام سلیم کے ہاتھ میں خنجر ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خنجر تمہارے ہاتھ میں کیوں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ میں نے لے لیا ہے۔ اگر کوئی مشرک میرے پاس آیا تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دونگی، رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنسنے لگے(۲)۔

۱- مسلم: ۱۸۱۱۔

۲- مسلم: ۱۸۰۹۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب ہی ''غزو النساء وقتالھن'' (عورتوں کا جہاد) کے عنوان سے قائم کیا ہے۔

عہد نبوی وعہد صحابہ کی خواتین کی جہاد کرنے کی خواہش صرف خیبر اور حنین جیسے قریبی علاقوں تک محدود نہیں تھی، بلکہ وہ سمندری سفر کر کے جہاد اور اسلام کو پھیلانے کے لئے دور دراز کے علاقوں کی فتح میں شرکت کی خواہش رکھتی تھیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت حضرت ام حرام بنت ملحان (حضرت انس کی خالہ) کے یہاں سو گئے، تھوڑی دیر کے بعد آپ ہنستے ہوئے اٹھے، حضرت ام حرام نے عرض کیا: آپ کیوں ہنس رہے ہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا'' مجھے میری امت کے کچھ ایسے لوگ دکھائے گئے ہیں جو سمندر میں تخت شاہی پر بیٹھے بادشاہوں کی طرح سفر کرتے ہوئے جہاد کریں گے''۔ام حرام کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کریے کہ وہ مجھے ان میں شامل فرمائے۔تو آپ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا کر دی(۱).....اصحاب سیر وتاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں ام حرام نے اپنے شوہر حضرت عبادہ کے ساتھ قبرص کے لئے سمندری سفر کیا (یعنی بحری غزوہ میں شریک ہوئیں) وہاں پہنچ کر اپنی سواری پر سے گر پڑیں، اور انتقال ہو گیا، وہیں تدفین عمل میں آئی۔

سماجی زندگی کی بات کریں تو عورت داعی الی اللہ تھی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی تھی، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاء بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ...}[توبہ:۷۱] (مومن مرد اور خواتین آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے منع کرتے ہیں)۔

۱- مسلم:۱۹۱۲۔

یہ واقعہ تو بہت مشہور ہے کہ ایک مسلم خاتون نے بھری مسجد میں مہر کے مسئلے میں حضرت عمر کی رائے سے اختلاف کیا، اور انہوں نے اس عورت کی رائے کو قبول کیا اور کہا: ''سب لوگ عمر سے زیادہ فقیہ ہیں'' ابن کثیر نے سورۂ نساء کی تفسیر میں اس حدیث کو مسند ابو یعلی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو مضبوط کہا ہے''۔ مصنف عبد الرزاق کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمر نے کہا: ''ایک عورت نے عمر سے اختلاف کیا اور اسی کی رائے صحیح ثابت ہوئی''۔

حضرت عمر نے اپنے زمانۂ خلافت میں شفاء بنت عبد اللہ العدویہ کو بازار کا محاسب مقرر کیا تھا۔ قرآن مجید میں مختلف عہدوں کی خواتین کے تذکروں اور انبیاء ورسولوں کی زندگی پر غور کرنے والے کو وہ آہنی پردہ کہیں نظر نہیں آتا جو بعض لوگوں نے مرد وزن کے درمیان قائم کر رکھا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ عین اپنی جوانی میں ایک عمر دراز شخص کی دو نوجوان بیٹیوں سے گفتگو کرتے ہیں، اور اس میں کوئی گناہ یا حرج محسوس نہیں کرتے، اور وقار وشرافت کے ساتھ ان کا تعاون کرتے ہیں، پھر ان نوجوان خواتین کے والد ان میں سے ایک کو حضرت موسیٰ کے پاس بھیجتے ہیں، وہ آتی ہیں اور ان سے اپنے والد کے پاس ساتھ چلنے کو کہتی ہیں، پھر ان میں سے ایک حضرت موسیٰ کی طاقت اور امانت سے متاثر ہو کر اپنے والد کو یہ تجویز پیش کرتی ہیں کہ وہ انہیں بطور خادم اپنے یہاں رکھ لیں۔

سورۂ قصص میں اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے: {وَلَمَّا وَرَدَ مَاء مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّى يُصْدِرَ الرِّعَاء وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ o فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ o فَجَاءتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاء قَالَتْ إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا

جَاء هُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَo قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ}[قصص: ۲۳-۲۶] (اور جب وہ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت وہاں پانی پلا رہی ہے، اور دو عورتیں الگ کھڑی اپنے جانوروں کو روکتی ہوئی دکھائی دیں، پوچھا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے، وہ بولیں کہ جب تک یہ چرواہے واپس نہ لوٹ جائیں ہم پانی نہیں پلاتیں اور ہمارے والد بہت عمر دراز ہیں، پھر انہوں نے ان جانوروں کو پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف آ گئے، اور کہنے لگے اے پروردگار تو جو کچھ بھلائی میری طرف اتارے اس کا محتاج ہوں۔ اتنے میں ان دونوں عورتوں میں سے ایک ان کی طرف شرم وحیا سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی کہ میرے باپ آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ نے ہمارے جانوروں کو جو پانی پلایا ہے اس کا بدلہ دیں۔ جب حضرت موسیٰ ان کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگے اب نہ ڈریے، آپ نے ظالموں سے نجات پالی ہے، ان دونوں میں سے ایک نے کہا ابا جی! ان کو مزدور رکھ لیجئے کہ بہترین مزدور قوی اور امین ہوتا ہے)۔

حضرت مریمؑ کے قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت زکریا ان کی رہائش گاہ میں آتے ہیں اور ان سے ان کے رزق کی بابت سوال کرتے ہیں: {كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقاً قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَـذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللّهِ إِنَّ اللّهَ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَاب} [آل عمران: ۳۷] (جب کبھی زکریا ان کے پاس جاتے رزق موجود پاتے، وہ پوچھتے کہ اے مریم! یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے آیا وہ جواب دیتیں، یہ اللہ کے یہاں سے آیا ہے، بلاشبہ وہ جسے چاہتا ہے بے شمار روزی دیتا ہے)۔

ملکۂ سبا کے قصے میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کو جمع کر کے ان سے حضرت سلیمانؑ کی بابت مشورہ کرتی ہیں: {قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْراً حَتَّى تَشْهَدُونo قَالُوا نَحْنُ أُوْلُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيْدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا

تَأْمُرِيْنَo قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوکَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِکَ يَفْعَلُونَ} [نمل:۳۲-۳۴] (اس نے کہا اے میرے سردارو! تم میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو، میں کسی امر کا قطعی فیصلہ جب تک تمہاری موجودگی اور رائے نہ ہو نہیں کیا کرتی، ان سب نے جواب دیا کہ ہم طاقت اور قوت والے سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے آپ خود ہی سوچ لیں کہ ہمیں کیا حکم دیتی ہیں، اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں گھستے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے باعزت لوگوں کو ذلیل کر دیتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کریں گے)۔

اسی طرح حضرت سلیمان نے ان سے اور انہوں نے حضرت سلیمانؑ سے گفتگو کی: {فَلَمَّا جَاءتْ قِيْلَ أَهَكَذَا عَرْشُکِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ وَأُوتِيْنَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ oوَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِيْنَo قِيْلَ لَهَا ادْخُلِيْ الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيْرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ} [نمل:۴۲-۴۴] (پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا کہ کیا ایسا ہی آپ کا بھی تخت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ گویا یہ وہی ہے، ہمیں اس سے پہلے ہی علم دیا گیا تھا اور ہم مسلمان تھے، اسے انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کیا کرتی تھی، یقیناً وہ کافروں میں سے تھی، اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو، جسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ یہ حوض ہے اس نے اپنی پنڈلیاں کھولدیں، فرمایا یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے، کہنے لگی میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار بنتی ہوں)۔

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ پچھلی قوموں کی شریعت ہے اس لئے ہمارے لیے حجت نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن مجید نے اس کا تذکرہ اسی لئے کیا ہے کہ اس میں عقل مندوں کے لئے ہدایت

اور عبرت کا سامان ہے، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ: پچھلی قوموں کی شریعتوں میں سے قرآن وسنت میں مذکور حکم ہمارے لیے بھی شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے، الا یہ کہ ہماری شریعت کے کسی حکم نے اس کو منسوخ کر دیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا تھا: {أُوْلَـئِکَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ}[انعام:۹۰] (یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت یاب کیا تھا اس لئے ان کے طریقہ کی پیروی کیجئے)۔

گھر کی چار دیواری میں عورت کے اس طرح قید رہنے کو کہ وہ گھر سے باہر نہ نکلے قرآن مجید نے (زنا کی موجودہ سزا کے نازل ہونے سے پہلے کے تشریعی تدریج کے مرحلہ میں) مسلم خواتین میں سے زنا کا ارتکاب کرنے والیوں کے لئے سزا مانا تھا، قرآن مجید نے اس بابت فرمایا تھا: {وَاللاَّتِیْ یَأْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِن نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُواْ عَلَیْهِنَّ أَرْبَعةً مِّنکُمْ فَإِن شَهِدُواْ فَأَمْسِکُوهُنَّ فِیْ الْبُیُوتِ حَتَّیَ یَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ یَجْعَلَ اللّهُ لَهُنَّ سَبِیْلاً}[نساء:۱۵] (تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ طلب کرو، اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھر میں قید رکھو، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکال دے)۔

پھر ایسی عورتوں کے لئے اللہ نے راہ نکالی اور حد زنا مشروع کی، یعنی غیر شادی شدہ کے لئے قرآن کی بیان کردہ سزا یعنی کوڑے، اور شادی شدہ کے لئے سنت نبوی کی بیان کردہ سزا یعنی رجم۔

تو قرآن وسنت کی نگاہ میں یہ کیسے درست ہوگا کہ دیندار و باوقار مسلم خاتون کو مسلسل گھر میں قید رکھ کر گویا کہ ہم اسے اس کے نا کردہ گناہ کی سزا دیتے رہیں۔

حاصل کلام یہ کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان ملاقات فی نفسہٖ حرام نہیں ہے، بلکہ یہ جائز ہے اور اس وقت تو مطلوب ہے جب اس ملاقات سے مقصود کسی اچھے کام میں شرکت ہو، جیسے علم نافع، عمل صالح، کوئی خیر کا کام، لازمی جہاد، یا کوئی اور مفید کام جس میں دونوں صنفوں کی

کاوشوں کی ضرورت ہو، اور جس کی منصوبہ بندی اور عمل آوری میں دونوں کے تعاون کی ضرورت ہو۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ان دونوں کے درمیان کی تمام حدود ختم کردی جائیں اور طرفین کے درمیان ہر ایک ملاقات کے لئے شرعی قیود وضوابط کو فراموش کردیا جائے، اور کچھ لوگ اس زعم میں مبتلا ہوجائیں کہ وہ نیک و پارسا فرشتے ہیں نہ ان سے کسی کو کوئی خوف واندیشہ ہے اور نہ انہیں کسی دوسرے سے ہے، یہ لوگ مغربی تہذیب کو ہمارے یہاں پھیلانا چاہتے ہیں، بلاشبہ خیر کے کاموں میں اشتراک اور نیکی وتقوی میں تعاون واجب ہے، لیکن وہ بھی ان حدود کی پابندی کرتے ہوئے جو اسلام نے مقرر کردی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱-عورت ومرد ہر ایک کا اپنی نگاہ اس طرح نیچی رکھنا کہ وہ دوسرے کے پوشیدہ اعضاء کو نہ دیکھیں، نہ شہوت کی نظر ڈالیں اور نہ ہی بلاضرورت دیر تک دیکھتے رہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أذكى لهم إن الله خبيربما يصنعون وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن" (النور:۳۰-۳۱) (اے نبی! مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے اور اے نبی مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں)۔

۲-خواتین کے لیے اس طرح کا شرعی، باحیا وباعزت لباس کا اختیار کرنا ضروری ہے جو چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے سوا پورے بدن کو ڈھانپ لے، جو نہ تنگ ہو نہ باریک، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **"ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن"** (النور:۳۱) (اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں، بجز اس کے جو خود ظاہر ہوجائے اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں)۔

صحابہ کی ایک بڑی تعداد سے یہ ثابت ہے کہ ظاہر ہوجانے والی زینت سے مراد چہرہ اور دونوں ہتھیلیاں ہیں۔

باحیااور باوقارلباس کے حکم کی علت بتاتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:"**ذلک أدنی أن یعرفن فلا یؤذین**"(الاحزاب:۵۹)(یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں)،یعنی یہ ہیئت آزاد وپاک دامن اور شریف خاتون کوآوارہ وبیہودہ عورت سے ممتاز کردیتی ہے؛اس لئے پاک دامن خاتون کوکوئی اذیت نہیں پہنچاتا،کیونکہ اس کی ہیئت اوراس کاادب ہراس شخص پرجواسے دیکھتا ہےاس کااحترام لازم کردیتا ہے۔

۳-مسلم خاتون کے طرز کی پابندی خصوصا مردوں کے ساتھ پیش آنے والے معاملات میں:

الف-بات چیت کاانداز اس طرح ہوکہ ورغلانے اور لبھانے والی ادا سے بچے،اللہ تعالی نے فرمایا:"**فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولاً معروفاً**"(الاحزاب:۳۲)(دبی زبان سے بات نہ کیا کروکہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑجائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو)۔

ب-چلنے میں طریقہ ویساہی ہوجیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:"**ولا یضربن بأرجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن**"(النور:۳۱)(وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جوزینت انہوں نے چھپارکھی ہیں اس کا لوگوں کوعلم ہوجائے)اوران کواس خاتون کی طرح رہنا چاہئے جس کی بابت اللہ تعالی نے بیان کیا ہے،"**فجاءته إحداهما تمشی علی استحیاء**"(القصص:۲۵)(ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم وحیاکے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی)۔

ج-حرکات ایسی ہوں کہ لچک معلوم ہونہ جھکاؤ ومیلان یعنی ان کی طرح نہ ہوجن کی

صفت حدیث شریف میں ''الممیلات المائلات'' (دوسروں کو اپنی جانب مائل کرنے والیاں اور خود دوسروں کی طرف مائل ہونے والیاں) کے ذریعے بیان کی گئی ہے، اور نہ ان سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو ان کو پہلی یا بعد کی سی جاہلیت کی سج دھج دکھاتی پھرنے والیوں میں شامل کردے۔

۴-اسی طرح ہر اس چیز سے بچے جو مردوں کے دل میں غلط جذبات پیدا کرے، جیسے خوشبودار عطر، اور وہ زینتیں جو گھر کے اندر زیب دیتی ہیں راستہ میں چلتے وقت یا مردوں سے ملتے وقت ان کا استعمال مناسب نہیں ہے۔

۵-مرد اور عورت کے تنہائی میں اس طرح ملنے سے احتراز بھی ضروری ہے کہ ان کے ساتھ کوئی محرم نہ ہو، احادیث صحیحہ میں اس سے ممانعت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسے میں ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے، اس لئے کہ آگ اور ایندھن کو کھلا چھوڑ دینا جائز نہیں ہے۔

خاص طور سے شوہر کے رشتہ داروں سے خلوت سے احتراز کرنا چاہئے، اس بارے میں خاص طور پر حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ''عورتوں کے پاس داخلہ سے بچو، صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! دیور وغیرہ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: دیور تو موت ہے''۔ یعنی ہلاکت وتباہی کا سبب ہے اس لئے کہ وہ پاس بیٹھتا ہے اور دیر تک بیٹھا رہتا ہے اور اس میں شدید خطرہ ہوتا ہے۔

۶-اس کا بھی خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ ملاقات صرف ضرورت کے مطابق ہو، اور تب ہو جب مشترکہ کاموں کا تقاضا ہو کہ ملاقات کی جائے، لیکن اس میں اس قدر وسعت سے کام نہ لیا جائے کہ عورت کی نسوانی فطرت جاتی رہے، یا وہ لوگوں کی بدگمانی کا محل بنے یا خبرداری اور خاندان کی تربیت میں اس کے مقدس فرائض سے اسے معطل کردے۔

اللہ ہی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

اجنبی مرد وعورت کا غیر محرم کی عیادت کرنا

سوال: میں ایک مسلمان عورت ہوں اور چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اور لوگوں سے اپنے تمام تعلقات میں اللہ کے حکم کی پابند رہی۔ لڑکیوں کے ایک سیکنڈری اسکول کی میں پرنسپل ہوں، اسکول میں میرے علاوہ مردوں اور عورتوں پر مشتمل ایک اچھی خاصی تعداد مدرس ہے، مختلف موقعوں پر ہم آپس میں خوش کلامی کرتے ہیں، مثلاً شادی، بچے کی ولادت یا ترقی ہونے پر مبارکباد دیتے ہیں، لیکن ایک کام ایسا ہے کہ ہم نہیں کرتے، اور وہ ہے اپنے مرد ساتھیوں کے بیمار پڑنے پر ان کی عیادت کہ ان میں سے کوئی بیمار پڑتا ہے یا کسی کا آپریشن ہوتا ہے اور اسپتال میں داخل ہوتا ہے تو کیا میرے اور میری رفیق خواتین اساتذہ کے لئے اپنے ساتھیوں کے حق کی ادائیگی کے لئے ان کی عیادت کے لئے جانا جائز ہے یا عیادت صرف مردوں کا ایک دوسرے پر ہی حق ہے۔

اسی طرح کا سوال مردوں کے ذریعہ اس رفیق کار خاتون کی عیادت کرنے کے سلسلہ میں ہے جو بیمار ہو جائے یا کسی حادثہ وغیرہ سے دوچار ہو جائے جو مرد وخواتین سب کو پیش آتے ہی رہتے ہیں۔

ہم آنجناب سے امید کرتے ہیں کہ اس مسئلہ کی ایسے نصوص کی روشنی میں وضاحت کریں جو ہر مسلمان مرد وعورت کے نزدیک معتبر اور محفوظ ہیں، اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی آپ کو ہمیشہ ہمارے دین عظیم کے فہم صحیح اور بہتر شعور کی نشر واشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

ن،س، قاہرہ

جواب: جن آداب کا اسلام نے حکم دیا ہے اور جن کی رسول کریم ﷺ نے ترغیب دی ہے، ان میں سے ایک مریض کی عیادت بھی ہے، اور نبی کریم ﷺ نے اس کو ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول وہ کیا ہیں؟ فرمایا: جب تم ملاقات کرو تو سلام کرو، وہ تمہاری دعوت کرے تو اسے قبول کرو، وہ کسی نصیحت کے لئے کہے تو اس سے نصیحت و خیر خواہی کی بات کرو، اسے چھینک آئے تو یرحمک اللہ کہو، بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو(۱)۔

''قیدی کو رہا کراؤ، اس کی دعوت قبول کرو، بھوکے کو کھانا کھلاؤ، اور مریض کی عیادت کرو''(۲)۔

''بیماروں کی عیادت کرو اور جنازہ میں شریک ہو اس سے آخرت کی یاد آتی ہے''(۳)۔

''جو کسی مریض کی عیادت کرتا ہے آسمان سے ایک منادی اسے پکار کر کہتا ہے کہ تو نے اچھا کام کیا، تیرا چلنا اچھا ہوا، اور تو نے جنت میں اپنے لئے ایک درجہ بڑھا لیا''(۴)۔

''مسلمان جب اپنے مسلم بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہاں سے لوٹتا ہے جنت کے خرفہ میں رہتا ہے، کہا گیا: اے اللہ کے رسول! جنت کا خرفہ کیا ہے؟ فرمایا: اس کا پھل وغیرہ(۵)۔

''قیامت کے دن اللہ تعالی فرمائیں گے اے ابن آدم! میں بیمار ہوا لیکن تو نے میری

۱- مسلم، ترمذی، نسائی و ابن ماجہ نے اسے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

۲- احمد و بخاری نے اسے ابو موسی سے روایت کیا ہے جیسا کہ صحیح جامع صغیر میں ہے۔

۳- مسند احمد، صحیح ابن حبان، الادب المفرد بحوالہ صحیح جامع صغیر۔

۴- ترمذی (۲۰۰۹)، ابن ماجہ: (۱۴۴۲)، صحیح ابن حبان: (۷۱۲) بروایت حضرت ابو ہریرہ، ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

۵- احمد و مسلم۔

عیادت نہیں کی، آدمی کہے گا اے پروردگار میں تیری عیادت کیسے کرتا آپ تو رب العالمین ہیں؟ اللہ تعالی فرمائے گا، کیا تجھے معلوم نہیں ہوا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا لیکن تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا''(۱)۔

مریض کی عیادت کی فضیلت اور اللہ کے نزدیک اس کے ثواب کی اس سے اچھی اور اس سے زیادہ بلیغ تصویر کشی ناممکن ہے حتی کہ اللہ تعالی نے مریض کی مزاج پرسی کو گویا خود اپنی عیادت قرار دے دیا۔

یہ تمام احادیث اس اسلامی طرز حیات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں جس کی نبی کریم ﷺ کی قومی وعملی سنت میں ترغیب دی گئی ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیمار یہودی کی بھی عیادت کی، پھر اس پر اسلام پیش کیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔

اس طریقہ کار کا بعض حدیثوں میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق بتایا گیا ہے) استحبابی درجہ اس وقت تاکیدی حکم کی سی حیثیت لے لیتا ہے جب دونوں کے درمیان کوئی گہرا رشتہ ہو جیسے قرابت کا، سسرال کا، پڑوس کا، رفاقت اور استاذی وشاگردی کا، یا ان کے علاوہ کوئی اور ایسا رشتہ جو لوگوں کے حقوق کو زیادہ قوی کردیتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ احادیث عام الفاظ کے ساتھ آئی ہیں کہ مرد وعورت اس میں برابر ہیں، چنانچہ حدیث کے الفاظ ''**عودوا المریض**'' ''**من عاد مریضاً**'' یا ''**إذا مرض فعده**'' مردوں کے لئے مخصوص نہیں ہیں اور یہ عام دلیلیں یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ شریعت کے مقرر کردہ آداب وضوابط کی روشنی میں عورتوں کا مردوں کی عیادت کرنا جائز ہے۔

اس کے ساتھ ہی ایسی خاص دلیلیں بھی ہیں جو عورت کے مرد کی عیادت کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

۱- مسلم۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب المرضی کے ''باب عیادۃ النساء للرجال'' میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ام درداء نے انصار میں سے اہل مسجد میں سے ایک شخص کی عیادت کی(۱)۔

اور حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کی طبیعت ناساز ہوگئی، میں ان دونوں کے پاس پہنچی اور کہا: ابا حضور! آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟ اور اے بلال آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں؟(۲)۔

اور ام مبشر بنت البراء بن معرور انصاریہ حضرت کعب بن مالک انصاری کے پاس ان کے مرض وفات میں گئیں اور کہا اے ابوعبدالرحمٰن میرے بیٹے (یعنی مبشر) کو سلام کہنا''(۳)۔ان کی مراد اپنا بیٹا مبشر تھا۔

اس طرح ثابت ہوگیا کہ مسلم خاتون کے ذریعہ اپنے بیمار مسلم بھائی کی عیادت کرنے میں کوئی شرعی مانع نہیں ہے، بشرطیکہ وہ قواعد شرعیہ کی پابندی کر رہی ہو اور آداب کی رعایت رکھتی ہو کہ نہ خلوت ہو نہ زینت کا دکھاوا ہو نہ خوشبوؤں کا استعمال ہو اور نہ ہی بات میں لچک و جھکاؤ ہو۔

بہتر یہ ہے کہ اس طرح کی عیادت جس کا سوال میں ذکر ہے اجتماعی شکل میں ہو کہ پرنسپل اور اس کے ساتھ کچھ لیڈی ٹیچرس حق عیادت کی ادائیگی کے لئے ایک ساتھ پروگرام بنائیں تاکہ کسی شبہ کی بھی گنجائش نہ رہے۔

اگر کوئی خاتون بطور رفیق یا سربراہ کے کسی مرد کے ساتھ روزانہ رفیق کار رہتی ہے، اور اس میں کوئی حرج بھی محسوس نہیں کیا جاتا ہے تو پھر ایسی خاتون کا ایسے مرد کی عیادت سے رکے رہنے میں کیا معقولیت ہے۔ کیا صحت وتندرستی کی حالت میں رفقاء کے ساتھ کام کرنا جائز ہے اور

۱- اس کو صحیح میں معلق روایت کیا ہے اور ادب المفرد میں متصلاً۔

۲- بخاری؛ کتاب المرضی، دیکھیں فتح الباری ۱۲/ ۲۲۱۔

۳- ابن ماجہ نے عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک عن ابیہ کی سند سے روایت کیا ہے، حدیث نمبر: ۱۴۴۹، مسند احمد ۳/ ۴۵۵، اس کو البانی نے بھی سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۹۹۵ نمبر پر درج کیا ہے۔

مرض کی حالت میں اس سے قطع تعلق کیا جائے گا، حالانکہ مریض تعلق اور فکرمندی کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

جہاں تک مردوں کے ذریعہ عورتوں کی عیادت کا تعلق ہے تو یہ ان عام دلیلوں کے تحت آتی ہے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں جو مریض کی عیادت کی ترغیب میں ہیں۔

اس سلسلہ میں خاص دلیلیں بھی ہیں جو مردوں کے ذریعہ خواتین کی عیادت کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

چنانچہ شیخین (بخاری ومسلم) نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ضباعہ بنت زبیر کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا شاید تم نے حج کا ارادہ کیا تھا، انہوں نے عرض کیا اللہ کی قسم مجھے شدید تکلیف ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ارادہ کرلو ساتھ ہی شرط لگادو(۱)۔

مسلم نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ام السائب یا ام المسیب کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا: اے ام السائب تمہیں کیا ہوا کیوں کپکپا رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کمبخت مارا بخار ہوگیا ہے! آپ نے فرمایا: بخار کو برا بھلا نہ کہو، اس سے انسانوں کے گناہ اس طرح دور ہوجاتے ہیں جیسے لوہار کی بھٹی سے لوہے کا زنگ دور ہوجاتا ہے(۲)۔

ابوداؤد نے ام علاء سے روایت کیا ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میری عیادت کی جبکہ میں بیمار تھی، اور فرمایا: اے ام العلاء تمہارے لئے خوشخبری ہے(۳)۔

نسائی نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کے عوالی والوں میں سے ایک خاتون بیمار ہوگئیں اور رسول اللہ ﷺ مریضوں کی عیادت کرنے میں سب سے اچھے

۱- اس حدیث کو بخاری نے کتاب النکاح میں اور مسلم نے کتاب الحج میں روایت کیا ہے۔

۲- اس کو مسلم نے کتاب البر والصلہ میں روایت کیا ہے۔

۳- یہ حدیث ابوداؤد نے کتاب الجنائز کے باب عیادۃ النساء میں روایت کیا ہے۔

تھے، آپ نے فرمایا اگر یہ مرجائے تو مجھے اطلاع کر دینا(۱)۔

بخاری نے روایت کیا ہے کہ ابن عباس نے حضرت عائشہ کے مرض وفات میں ان سے حاضری کے لئے اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت دیدی، ابن عباس نے دریافت کیا آپ کیا محسوس کررہی ہیں؟ ام المومنین نے فرمایا: اگر نجات پاجاؤں تو خیریت سے ہوں، ابن عباس نے فرمایا: پھر آپ انشاءاللہ بخیر ہی رہیں گی۔ آپ تو رسول اللہ کی ایسی زوجہ ہیں کہ رسول اللہ نے آپ کے سوا کسی کنواری سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی برأت آسمان سے نازل ہوئی تھی(۲)۔

ان صحیح اور صریح دلائل کے بعد کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہدایات سے انحراف کرے، اور نہ ہی ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ جس امر میں اللہ تعالی نے وسعت رکھی ہے اس میں سخت ہوجائیں، اور جہاں اللہ تعالی نے آسانی رکھی ہے اس کو مشکل بنالیں، اور لوگوں کے اقوال کی پیروی یا ان کی تقلید کرنے کے مقابلہ میں سنت الرسول ہی اتباع واطاعت کے لئے زیادہ صحیح ہے (وباللہ التوفیق)۔

۱- نسائی، کتاب الجنائز۔

۲- بخاری، کتاب التفسیر مزید ملاحظہ فرمائیں: تحریر المرأۃ فی عصر الرسالہ از شیخ عبدالحلیم ابوشقہ ۲/ ۲۶۹-۲۷۱۔

مرد وعورت کا ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا

سوال: مجھے ایک پریشانی درپیش ہے، اور بلاشبہ یہ پریشانی میرے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی پیش آتی ہے، یہ پریشانی خواتین کو ہاتھ سے سلام کرنے یا مصافحہ کرنے کی ہے، خاص طور سے تقریبات کے موقع پر ایسی رشتہ دار خواتین سے مصافحہ کرنے کی جو میرے لئے محرم نہیں ہیں، مثلاً میری ماموں زاد یا خالہ زاد یا چچازاد یا پھوپھی زاد بہنیں یا چچی، یا ممانی یا میری بیوی کی بہن وغیرہ، جن سے میرے ذاتی یا سسرالی تعلقات ہیں، خاص طور سے مخصوص مواقع پر جیسے سفر سے آمد، یا بیماری سے شفایاب ہونے یا حج یا عمرہ سے واپسی جیسے مواقع پر اعزاء واقارب اور سسرالیوں نیز پڑوسیوں اور رفقاء ایک دوسرے سے ملتے اور مبارک باد دیتے ہیں اور سب ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔

میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس مصافحہ کے سماجی تقاضوں اور خاندانی تعلقات کے باوجود نیز فضا کو پر اعتماد بنائے رکھنے، فتنے سے بچتے رہنے اور شہوت کو برانگیختہ کرنے والی چیزوں سے دوری اختیار کرتے ہوئے بھی اس مصافحہ کی حرمت کتاب وسنت سے ثابت ہے، اس سلسلہ میں یہ پہلو بھی پیش نظر رہے کہ ہم دین پسندوں کے بارے میں عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ ہم سخت گیر ہیں، عورت کو حقیر جانتے ہیں اور اس کی بابت برے گمان رکھتے ہیں۔

تاہم اگر اس کی کوئی دلیل شرعی ہوگی تو ہم اس کا احترام کریں گے، ایسے میں خدا کے حکم کو بجالانا ہمارا شیوہ ہوگا، کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں، البتہ اگر معاملہ محض ہمارے قدیم فقہاء کے اجتہاد کا ہے تو ہمارے دور کے علماء کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے ایسے صحیح

اجتہاد کی بنیاد پر اس کے خلاف اپنی رائے دیں جس کی بنیاد ہمارے مختلف قسم کے حالات کے تقاضوں پر ہو۔

اس لیے میں نے آپ سے رابطہ اس امید کے ساتھ کیا ہے کہ قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کریں گے، اگر دلیل ممانعت کی ہوگی تو ہم باز آجائیں گے، اور اگر اس معاملہ میں وسعت ہوگی تو جس معاملہ میں اللہ تعالی نے وسعت رکھی ہے ہم اس میں تنگی پیدا نہیں کریں گے خاص طور سے جہاں ضرورت شدیدہ اور عموم بلوی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی بے شمار مصروفیات میرے خط کا جواب دینے سے مانع نہیں ہوں گی، کیونکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ صرف میری پریشانی نہیں ہے بلکہ مجھ جیسے لاکھوں کروڑوں لوگوں کی پریشانی ہے۔

اللہ تعالی آپ کو اس سوال کا جواب دینے کے لئے شرح صدر عطا فرمائے اور مسئلہ کی تحقیق کے لئے آپ کو فرصت سے نوازے اور آپ کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچائے۔

جواب: مستفتی پر میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مرد کا عورت سے مصافحہ کرنا جس کے بارے میں یہاں سوال کیا گیا ہے ایک پیچیدہ مسئلہ ہے شدت پسندی اور اباحیت پسندی سے محفوظ رہتے ہوئے اس مسئلہ کے شرعی حکم کی دریافت کے لئے زبردست فکری وعملی جدوجہد کی ضرورت ہے، چنانچہ مفتی کے لئے اس سلسلہ میں غیر قوموں سے وارد ہونے والے افکار اور اسلاف سے وراثت میں ملنے والے افکار کو جمع کرنے اور پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں کتاب وسنت سے کچھ مستند طور پر ثابت نہیں ہے، اس لئے کہ متناقض دلائل کو سامنے رکھ کر ہر ایک دلیل کا دوسری دلیل سے موازنہ کرنے کی ضرورت ہے، اس راجح ترین رائے کی تلاش سے فقیہ کو مطلوب صرف اللہ کی رضا ہونی چاہئے نہ کہ لوگوں کی خواہشات کی موافقت جس سے فقیہ کی نظر میں راجح ترین رائے سامنے آسکے۔

مسئلہ کی تحقیق اور دلائل کے جائزہ سے پہلے میں زیر بحث مسئلہ کی ان دو صورتوں کو بحث سے خارج کر دینا چاہتا ہوں جو کہ میری معلومات کے مطابق فقہاء متقدمین کے یہاں مختلف فیہ نہیں رہی ہیں۔

اول یہ کہ عورت سے مصافحہ کرنا ایسی صورت میں بالکل حرام ہے جہاں مرد یا عورت میں سے کسی بھی طرف سے شہوت اور جنسی تلذذ پایا جاتا ہو، یا اس سے کسی فتنہ کا غالب گمان ہو، اس لیے کہ فساد کا سد باب واجب ہے خاص طور سے جبکہ اس کی علامات ظاہر ہوں اور اس کے اسباب پائے جاتے ہوں۔

اس کی ایک دلیل علماء کا ذکر کردہ یہ حکم بھی ہے کہ اگر چہ محرم عورتوں کو چھونا یا ان سے تنہائی میں ملنا فی نفسہ جائز ہے، لیکن اگر کسی محرم خاتون کو چھونے یا تنہائی میں اس سے ملنے سے شہوت پیدا ہوتی ہو اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو یہ فی نفسہ جائز عمل ناجائز ہو جائے گا(۱)۔

خاص طور سے بیوی کی (سوتیلی بیٹی) یا ساس یا باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) یا رضاعی بہن جن کے لئے فطری طور پر دل میں وہ مقام نہیں ہوتا جو حقیقی ماں یا بیٹی یا بہن یا پھوپھی یا خالہ وغیرہ کے لئے ہوتا ہے۔

دوسرے ایسی بوڑھی خاتون سے مصافحہ میں رخصت دی گئی ہے جہاں شہوت کا شائبہ نہ ہو، اسی کی مانند چھوٹی بچی کا معاملہ ہے جس سے ابھی شہوت کا تصور نہیں ہوتا کیونکہ یہاں فتنہ کے اسباب کا اندیشہ نہیں ہے؛ یہی حکم اس وقت ہے جب کوئی خاتون کسی ایسے بوڑھے مرد سے مصافحہ کرے جس میں شہوت کا شائبہ نہ رہا ہو۔

اس کی دلیل حضرت ابوبکرؓ کے سلسلہ میں وارد ہونے والی روایت ہے کہ آپؓ بوڑھی خواتین سے مصافحہ کیا کرتے تھے، اور عبداللہ بن زبیر نے ایک بوڑھی خاتون کو ملازم رکھا تھا جو

۱- الاختیار لتعلیل المختار فی فقہ الحنفیہ ۴/ ۱۵۵۔

آپ کی تیمارداری کرتی تھی اور وہ آپ کے جسم کو ملتی تھی اور سر سے جوئیں صاف کرتی تھی(۱)۔

اور اس پر وہ حکم بھی دلالت کرتا ہے جس کا ذکر قرآن نے معمر خواتین کے بارے میں کیا ہے کہ انہیں بعض ایسے لباسوں میں تخفیف کی رخصت حاصل ہے جن میں دوسری خواتین کو نہیں دی:''**والقواعد من النساء اللاتی لا یرجون نکاحا فلیس علیهن جناح أن یضعن ثیابهن غیر متبرجات بزینة وأن یستعففن خیر لهن والله سمیع علیم**''(النور:۶۰) (اور جو عورتیں جوانی سے گذر بیٹھی ہوں نکاح کی امیدوار نہ ہوں پھر اگر وہ اپنی چادریں اتار کر رکھ دیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ زینت کی نمائش کرنے والی نہ ہوں تاہم وہ بھی حیاداری برتیں تو ان کے حق میں اچھا ہے اور اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے)۔

اس طرح زینت کے اظہار کے سلسلہ میں مومن خواتین کو کی گئی ممانعت کے حکم میں ایسے مردوں کے سامنے استثنا کیا گیا ہے جن کو عورتوں کی طرف کوئی خواہش و رغبت نہ ہو اور ان بچوں کو بھی جن کے اندر ابھی ان کی کم سنی کی وجہ سے جنسی شعور ظاہر نہیں ہوا ہے،''**أو التابعین غیر أولی الإربة من الرجال أو الطفل الذین لم یظهروا علی عورات النساء**'' (النور:۳۱) (یا وہ زبردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں)۔

اب ان دونوں کے علاوہ جو صورتیں ہیں وہ زیر بحث اور محل کلام ہیں جن میں غور وخوض اور تحقیق کی ضرورت ہے۔

جو لوگ عورت کے لئے تمام جسم کو حتی کہ چہرہ اور ہتھیلیوں کو ڈھانپنے کو واجب قرار دیتے ہیں اور ارشاد باری:''**ولا یبدین زینتهن إلاما ظهر منها**'' (النور:۳۱) (اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں بجز اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے) میں مذکور استثناء میں ان دونوں اعضاء کو شامل

۱- بحوالہ سابق ص:۱۵۶-۱۵۷۔

نہیں کرتے، بلکہ جو'' خود بخود ظاہر ہوجائے'' سے ظاہری کپڑے مراد لیتے ہیں جیسے عباء، او رچادریں وغیرہ، یا جو کسی ضرورت کے تحت ظاہر ہوجائیں جیسے بہت تیز ہوا کی وجہ سے کچھ حصہ کھل جائے وغیرہ۔

ان لوگوں کے نزدیک مصافحہ حرام ہونا کوئی عجیب بات ہے اس لئے کہ جب ہتھیلیوں کا ڈھانپنا واجب ہوگا تو ان کی طرف دیکھنا بھی حرام ہوگا اور جب دیکھنا حرام ہوگا تو ان کو چھونا بدرجہ اولی حرام ہوگا، اس لئے کہ چھونا دیکھنے سے بڑھ کر ہے، کیونکہ وہ شہوت کی طرف راغب کرنے میں زیادہ قوی ہے اور بغیر جلد کے جلد سے چھوئے مصافحہ نہیں ہوسکتا۔

لیکن مشہور بات یہی ہے کہ اس رائے کے حامل اقلیت میں ہیں اور صحابہ وتابعین اور ان کے بعد والوں کے جمہور فقہاء اللہ تعالی کے ارشاد: ''**إلا ما ظهر منها** '' میں چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کو مستثنی قرار دیتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ شہوت نہ ہونے کی صورت میں مصافحہ کو حرام قرار دینے کے لئے ان کے پاس کونسی دلیل ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس سلسلہ میں بہت زیادہ غور وخوض کیا ہے منصوص دلیل تلاش کرنے کی بہت کوشش کی ہے، لیکن مجھے اپنا مطلوب نہ مل سکا۔

اس سلسلہ کی سب سے قوی دلیل فتنہ کا سد باب ہے جو بلا شبہ شہوت کی تحریک یا فتنہ کے اندیشہ میں، جبکہ اس کی علامات موجود ہوں قابل قبول ہے لیکن اس سے امن کی صورت میں جو کہ بہت سے مواقع پر متحقق ہوتا ہے حرام قرار دینے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

بعض علماء نے فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے عورتوں سے بیعت کے وقت خواتین سے مصافحہ نہ کرنے سے استدلال کیا ہے جس کا ذکر سورہ ممتحنہ میں آیا ہے۔

لیکن یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی کام نہ کرنا اس کی تحریم پر ہی ہمیشہ

دلالت نہیں کرتا ہے، آپ کوئی کام اس لئے ترک کر دیتے تھے کہ وہ حرام ہے، کبھی اس لئے کہ وہ مکروہ ہے اور کبھی اس لئے کہ وہ خلاف اولی ہے اور کبھی محض اس وجہ سے ترک فرماتے تھے کہ طبیعت اس طرف مائل نہیں ہوتی تھی جیسا کہ آپ نے گوہ کا گوشت نہیں کھایا باوجود یکہ وہ مباح ہے۔

اس لئے محض آپ کا مصافحہ کو ترک کرنا اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لئے کوئی اور دلیل چاہئے جس میں یہ بات کہی گئی ہو۔

اس کے ساتھ ہی نبی ﷺ کا خواتین سے بیعت میں مصافحہ ترک کرنا متفق علیہ نہیں ہے، حضرت ام عطیہ انصاریہؓ کی روایت بیعت کے وقت مصافحہ پر دلالت کرتی ہے، اس کے برخلاف ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے بارے میں یہ ثابت اور صحیح ہے کہ آپؓ اس سے انکار کرتی تھیں اور اس کی نفی پر قسم کھاتی تھیں۔

بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ مومن خواتین میں سے جو کوئی بھی ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آتی تھی آپ اس آیت کی روشنی میں اس کا امتحان لیتے تھے، "**يا أيها النبى إذا جاءک المومنات يبايعنک على أن لا يشرکن بالله شيئا ولا يسرقن ولا يزنين ولا يقتلن أولادهن ولا يأتين ببهتان يفترينه بين أيديهن وأرجلهن ولا يعصينک فى معروف فبايعهن واستغفرلهن الله إن الله غفور رحيم**" (الممتحنہ:۱۲) (اے نبی! جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہیں لائیں گی اور کسی امر معروف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو، اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ درگذر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو بھی مومن خاتون ان شرائط کا اقرار کرتی رسول اللہ ﷺ اس سے زبانی فرماتے، میں نے تم سے بیعت کر لی، اللہ کی قسم آپ نے کبھی بھی بیعت میں اپنے ہاتھ سے کسی خاتون کا ہاتھ نہیں چھوا، آپ نے کبھی بھی خواتین سے قول کے سوا کسی اور طریقے سے بیعت نہیں لی، آپ ہمیشہ یہی فرماتے تھے میں نے تم سے ان باتوں پر بیعت کر لی۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں حضرت عائشہؓ کے قول کی تشریح میں فرماتے ہیں: اس میں خبر کی تاکید کے لئے قسم کھائی گئی ہے اور غالباً حضرت عائشہ نے اس کے ذریعہ ام عطیہ کی روایت کی تردید فرمانا چاہی ہے، ابن حبان، بزار، طبری اور ابن مردویہ نے بیعت کے قصہ میں اسماعیل بن عبدالرحمٰن کے طریق سے ان کی اپنی دادی ام عطیہ سے یہ روایت نقل کی ہے: کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر کے باہر سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ہم نے اپنے ہاتھ گھر کے اندر سے بڑھائے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**اللھم اشھد**" (اے اللہ تو گواہ رہ)۔

اسی طرح اس کے بعد والی یعنی بخاری میں مذکورہ بالا حدیث کے بعد والی حدیث ہے جس میں وہ کہتی ہیں ایک خاتون نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا، اس سے ظاہر ہے کہ خواتین آپ سے اپنے ہاتھوں کے ذریعہ بیعت کرتی تھیں۔

حافظ نے کہا ہے کہ پہلی روایت کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ ہاتھوں کا پردہ کے پیچھے سے بڑھانا بیعت واقع ہوجانے کی طرف اشارہ ہے، اگرچہ اس میں مصافحہ نہ ہو، اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ ہاتھ سمیٹ لینے سے مراد قبولیت کو موخر کرنا ہے، یا دونوں طرف سے بیعت کے وقت کوئی چیز حائل ہوتی تھی کہ ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں حضرت شعبی سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت کرتے تھے تو ایک قطری چادر لے آتے تھے اس کو اپنے ہاتھ پر ڈال لیتے تھے، آپ نے خود فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، ابن اسحاق کی مغازی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ کو ایک برتن میں ڈبو لیتے تھے اور عورت اپنا ہاتھ

ڈبو لیتی تھی۔

حافظ نے یہ بھی کہا ہے کہ اس میں تعدد کا بھی احتمال ہے، یعنی بیعت کئی بار ہوئی ہے، کبھی ایسا ہوا کہ کسی خاتون کا ہاتھ بالکل نہیں چھوا نہ کوئی چیز بیچ میں حائل کر کے اور نہ ہی بلا حائل کئے ہوئے، صرف زبانی قول کے ذریعہ بیعت کی، جس کی حضرت عائشہؓ نے خبر دی ہے اور ایسا بھی ہوا کہ خواتین سے کسی کپڑے وغیرہ کے ذریعہ بیعت کی جس کی شعبی نے روایت کی ہے۔

اور کبھی وہ صورت اختیار کی گئی جس کا ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ کسی برتن میں ہاتھ ڈبو دیا اور کبھی وہ صورت جس پر ام عطیہ کا کلام دلالت کرتا ہے کہ باقاعدہ مصافحہ کر کے بیعت کی۔

تعدد کے احتمال کو جس بات سے ترجیح ملتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کرنے والی مومن خواتین کی بات کی ہے جبکہ ام عطیہ کا بیان عام ہے اور اس میں مومن خواتین سے عام طور سے لی جانے والی بیعت شامل ہے انہی میں ام عطیہ جیسی انصاری خواتین بھی ہیں، جو اسی حدیث کی راوی ہیں اور اسی لئے امام بخاری نے حضرت عائشہ کی حدیث کے باب کا عنوان: ''**إذا جاءكم المؤمنات مهاجرات**'' قائم کیا ہے اور ام عطیہ کی حدیث کے باب کا عنوان: ''**إذا جاءك المومنات يبايعنك**'' قائم کیا ہے۔

ان سب باتوں کے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے خواتین سے بیعت میں رسول اللہ ﷺ کے ان سے مصافحہ نہ کرنے سے اس کے حرام ہونے پر استدلال کیا ہے ان کا موقف متفق علیہ نہیں ہے، جیسا کہ ان لوگوں نے گمان کیا ہے جنہوں نے اصل مصادر سے رجوع نہیں کیا ہے، بلکہ اس میں وہ اختلاف موجود ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

بعض علماء عصر نے عورت سے مصافحہ کے حرام ہونے پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے طبرانی اور بیہقی نے معقل بن یسار کے واسطہ سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ

آپ نے فرمایا کہ تمہارے سر میں لوہے کی سوئی ٹھونک دی جائے یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہ ہو، منذری نے ترغیب میں کہا ہے طبرانی کے رجال ثقہ اور ایسے ہیں کہ ان کی روایت کردہ حدیث صحیح ہو۔

اس حدیث سے استدلال کو مندرجہ ذیل باتیں غلط بتاتی ہیں:

۱- ائمہ حدیث نے اس کی صحت کی صراحت نہیں کی ہے، منذری اور ہیثمی جیسوں نے یہ کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ ''اس کے رواۃ ثقہ ہیں'' اور ''یہ صحیح حدیث کے راوی ہیں''، اور اکیلا یہ کلمہ حدیث کی صحت کے لئے کافی نہیں ہے اس لئے کہ اس میں انقطاع یا علت خفیہ کا احتمال ہے اس لئے حدیث کی مشہور کتابوں میں سے کسی میں اس کو روایت نہیں کیا گیا ہے، اسی طرح پہلے دور کے فقہاء میں سے کسی نے مصافحہ کی حرمت وغیرہ اس سے استدلال نہیں کیا ہے۔

۲- فقہائے احناف اور بعض فقہاء مالکیہ کا کہنا ہے کہ تحریم صرف ایسی دلیل قطعی سے ہی ثابت ہوتی ہے جس میں کوئی شبہ نہ ہو، جیسے قرآن کریم اور احادیث متواترہ اور ان کی مثل احادیث مشہورہ، جس دلیل کے ثبوت میں شبہ ہو اس سے کراہت سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہوتا جیسے احادیث آحاد صحیحہ، پھر جس چیز کی صحت میں شک ہو اس سے کیسے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

۳- بالفرض اگر حدیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے اور اس طرح کی چیزوں سے تحریم کا حکم اخذ کرنے کا امکان بھی مان لیا جائے تو بھی میں تو میرے نزدیک حدیث کی دلالت اس حکم پر جس کا اس سے استدلال کیا جا رہا ہے واضح نہیں ہے، اس فقرہ ''ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لئے حلال نہیں ہے سے'' بغیر شہوت کے محض جلد کا جلد سے چھونا ہی مراد نہیں ہے جیسا کہ مصافحہ میں ہوا کرتا ہے، بلکہ کلمہ ''مس'' (چھونے) کے نصوص شرعی قرآن وسنت میں اپنے استعمال کے مطابق دو معنوں میں سے ایک مراد ہوتا ہے:

۱- یہ جنسی تعلق یعنی جماع سے کنایہ ہے جیسا کہ ''**أو لامستم النساء**'' کی تفسیر میں

ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا مس، ملامسۃ اور مس قرآن میں جماع سے کنایہ ہے او رجن آیتوں میں بھی لفظ مس آیا ہے واضح طور سے اس امر پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ حضرت مریم کے قول کو اللہ تعالی نے نقل فرمایا ہے: ''أنی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر'' (آل عمران:۴۷) (میرے بیٹا کہاں سے ہوگا جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں ہے)، ''وإن طلقتموھن من قبل أن تمسوھن'' (البقرہ:۲۳۷) (اور اگر تم انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دیدو)۔

اور حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ اپنی ازواج سے قریب ہوتے تھے بغیر ''مسیس'' (جماع) کے۔

۲- اس سے مراد جماع کے علاوہ بوس وکنار اور معانقہ وغیرہ ہیں جو کہ جماع کے مقدمات ہوتے ہیں، اور یہ وہی بات ہے جو ملامسہ کی تفسیر میں بعض سلف سے منقول ہے۔

حاکم نے مستدرک علی الصحیحین کی کتاب الطہارت میں کہا ہے:

''بخاری اور مسلم نے دونوں صحیح مسندوں میں ایسی متفرق احادیث روایت کرنے پر اتفاق کیا ہے جن سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ لمس جماع سے کم ہے۔

الف- ان میں سے ایک ابو ہریرہ کی حدیث ہے: ''**فالید زناھا اللمس**...۔

ب- ابن عباس کی حدیث: ''**لعلک مسست**''۔

ج- اور ابن مسعود کی حدیث: ''**وأقم الصلاۃ طرفی النھار**....(۱)۔

۱- اس سے ابن مسعود کی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جسے شیخان وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی بعض روایتوں میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ وہ ایک عورت سے مل گیا، بوسہ کے ذریعہ یا ہاتھ سے چھوکر، گویا وہ اس کے کفارہ کے بارے میں سوال کر رہا تھا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ''**وأقم الصلاۃ طرفی النھار وزلفاً من اللیل إن الحسنات یذھبن السیئات**'' (ہود: ۱۱۴) اس کو مسلم نے انہی الفاظ سے کتاب التوبہ میں نمبر: ۴۰ پر روایت کیا ہے۔

اس کے بعد حاکم کہتے ہیں: لیکن ان دونوں نے تفسیر اور اس کے علاوہ ابواب کی بھی متعدد صحیح احادیث کا تذکرہ نہیں کیا ہے، ایسی کچھ حدیثیں انہوں نے یہ ذکر کی ہیں:

د- حضرت عائشہؓ سے روایت ہے: فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تقریباً روزانہ ہم سب ازواج مطہرات سے ملتے، آپ بوسہ لیتے اور جماع کے علاوہ سب کچھ کرتے تھے پھر جس کی باری ہوتی اس کے پاس پہنچتے تھے تو اس کے پاس ٹھہر جاتے تھے۔

ہ- عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں: ''**أو لامستم النساء**'' کا مطلب جماع سے کم درجہ کا عمل ہے اور اس سے وضو لازم ہو جاتا ہے۔

و- حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ بوسہ لمس ہے اس لئے اس کے بعد وضو کرو۔

اس سے امام مالک کا اور امام احمد کا راجح مسلک ماخوذ ہے کہ عورت کا وہ چھونا ناقض وضو ہے جو شہوت کے ساتھ ہو اور اس سے اللہ تعالی کے ارشاد ''**أو لامستم النساء**'' کی تفسیر کی گئی ہے، ایک دوسری قراءۃ **أو لمستم النساء** ہے۔

اور اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں ان لوگوں کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے جنہوں نے آیت میں آنے والے الفاظ ملامسۃ یا لمس کی تفسیر محض جلد کے جلد سے چھونے سے کی ہے چاہے وہ بغیر شہوت کے ہی ہو۔

اس بارے میں انہوں نے کہا ہے:

جہاں تک محض لمس سے نقض وضو کا تعلق ہے، یہ خلاف اصول ہے صحابہ کے اجماع کے خلاف ہے، اور روایات کے بھی خلاف ہے اور ایسا کہنے والے کے پاس نہ کوئی قیاس ہے نہ نص۔

پس اللہ تعالی کے قول ''**أو لامستم النساء**'' میں جو لمس آیا ہے اگر اس سے مراد لمس بالید اور بوسہ وغیرہ لیا جائے جیسا کہ ابن عمر وغیرہ نے کہا ہے تو معلوم ہوگا کہ اس کا ذکر کتاب اور سنت میں کیا گیا ہے اور اس سے مراد وہ لمس ہوگا جو شہوت کے ساتھ ہو جیسا کہ آیت اعتکاف

میں اس کا ارشاد ہے: "**ولا تباشروهن وأنتم عاكفون فى المساجد**" (البقرہ:۱۸۷) اور ان سے مباشرت نہ کرو جب تم مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ہو) اور معتکف کی بغیر شہوت کے مباشرت (چھونا) حرام نہیں ہے بخلاف شہوت والی مباشرت (چھونے) کے۔

اور اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے: "**ثم طلقتموهن من قبل أن تمسوهن**" (الاحزاب:۴۹) اور اس کا ارشاد ہے: "**لاجناح عليكم إن طلقتم النساء ما لم تمسوهن**" (البقرہ:۲۳۶) (اگر عورت کے ساتھ بغیر شہوت ایسا کیا ہے تو علماء کا اتفاق ہے کہ نہ اس پر عدت واجب ہوگی نہ مہر لازم ہوگا اور نہ ہی اس سے سسرالی حرمت ثابت ہوگی۔

اور جس نے یہ سمجھا ہے کہ اللہ تعالی کے ارشاد "**او لامستم النساء**" میں لمس شامل ہے خواہ اس میں شہوت نہ ہو وہ قرآن کی لائی ہوئی لغت سے باہر ہے بلکہ وہ لوگوں کی اس لغت سے بھی بے خبر ہے جو عرف عام میں مستعمل ہے اس لیے جب مرد اور عورت کے درمیان مس کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس سے شہوت کے ساتھ مس مفہوم ہوتا ہے جیسا کہ جب مرد اور عورت کے درمیان "وطء" کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے "وطء بالفرج" معلوم ہوتا ہے نہ کہ بالقدم" (مجموعہ فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۱/ ۲۲۳)۔

ابن تیمیہ نے دوسری جگہ پر کہا ہے کہ صحابہ کے درمیان اللہ تعالی کے فرمان: "**أو لامستم النساء**" کے بارے میں اختلاف ہوگیا ہے کیوں کہ: ابن عباس اور ان کے ساتھ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ اس سے مراد جماع ہے، وہ کہتے تھے اللہ حی وکریم ہے جس چیز کا جس چیز سے چاہتا ہے کنایہ کر لیتا ہے۔

ابن تیمیہ نے کہا: دونوں قولوں میں یہ زیادہ صحیح ہے۔

اہل عرب اور موالی کا لمس کے معنی میں اختلاف ہوگیا کہ اس سے مراد جماع ہے یا اس سے کم؟ اہل عرب نے کہا اس سے مراد جماع ہے اور موالی نے کہا وہ اس سے کم ہے، ان دونوں

نے ابن عباس سے رابطہ قائم کیا تو آپ نے اہل عرب کو درست اور موالی کی رائے کو غلط قرار دیا(۱)۔

اس پورے کلام کو نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ کلمہ ''مس'' یا ''لمس'' جب بھی مرد کی جانب سے عورت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس سے محض کھال کا کھال پر رکھنا مراد نہیں ہوتا بلکہ اس سے مراد یا تو جماع ہوتا ہے یا اس کے مقدمات بوسہ اور معانقہ وغیرہ مراد ہوتے ہیں اسی طرح سے ہر وہ مس مراد ہوتا ہے جس میں شہوت اور تلذذ بھی شامل ہو۔

اس کے علاوہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ سے منقول صحیح احادیث کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایسی باتیں ملتی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مرد اور عورت کے درمیان بغیر شہوت اور بغیر اندیشہ فتنہ محض ہاتھ کا ہاتھ سے چھونا فی نفسہ ممنوع نہیں ہے بلکہ ایسا تو خود نبی ﷺ نے کیا ہے اور آپ کے عمل کی بابت اصل یہ ہے کہ وہ شریعت سازی اور اقتدار کے لئے ہوتا ہے: ''**لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة**'' (الاحزاب:۲۱) (اللہ کے رسول کی زندگی میں تمہارے لئے اسوہ حسنہ ہے)۔

بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الادب میں انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے: وہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کی کوئی لونڈی رسول اللہ کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی اور جہاں تک چاہتی لے جاتی تھی۔

حضرت انس سے امام احمد کی روایت میں بھی ہے، وہ کہتے ہیں:

اہل مدینہ کی کوئی لونڈی آتی اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور آپ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے یہاں تک کہ وہ جہاں تک چاہتی لے جاتی، اس کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ ہاتھ پکڑنے سے مقصود اس کا امر لازم یعنی آپ کی

۱- حوالہ سابق۔

نرمی اور شفقت ہے جو تواضع میں مبالغہ کی ایک قسم ہے کیونکہ انہوں نے عورت کا ذکر کیا ہے مرد کا نہیں اور لونڈی کا ذکر کیا ہے آزاد خاتون کا نہیں، اور اس کو عام کیا ہے کہ کوئی بھی لونڈی ایسا کر سکتی تھی اور "حیث شاء ت" یعنی کسی بھی جگہ لی جا سکتی تھی۔ اور ہاتھ سے پکڑنے کی تعبیر غایت التصرف کی طرف اشارہ یعنی اگر اس کو مدینہ سے باہر بھی کوئی ضرورت ہوتی تھی اور وہ اس میں آپ کی مدد چاہتی تو آپ اس کی مدد کرتے۔

یہ آپ کے انتہائی تواضع اور تکبر کی تمام اقسام سے بری ہونے کی دلیل ہے۔

اور حافظؒ نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ بالکل قابل تسلیم ہے لیکن انہوں نے ہاتھ پکڑنے کے معنی کو جو ظاہر سے لازمی معنی کی طرف پھیر دیا یعنی نرمی اور شفقت، یہ قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ یہاں لازم اور ظاہر دونوں معنی ایک ساتھ مراد ہیں اور کلام کی اصل یہ ہے کہ اس کو اصل پر محمول کیا جائے بجز اس صورت کے کہ کوئی دلیل یا قرینہ معینہ پایا جائے جو اس کو ظاہر معنی سے پھیر دے، اور یہاں مجھے ایسی کوئی بات معلوم نہیں ہوئی جو اس سے مانع ہو، بلکہ امام احمد کی روایت میں جو یہ آیا ہے کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہیں چھڑاتے تھے حتی کہ وہ جہاں چاہتی لے جاتی تھی، واضح طور پر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے ظاہری معنی ہی مراد ہے اور اس ظاہری معنی سے اس موقع پر خروج سراپا تکلف ہے۔

اس سے بھی زیادہ بلیغ وہ ہے جو حضرت انس سے صحیحین اور سنن میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انس کی خالہ ام حرام بنت ملحان زوجہ عبادہ بن صامت کے پاس قیلولہ کیا او ران کے پاس سو گئے آپ اپنا سر ان کی گود میں رکھے ہوئے تھے اور وہ آپ کے سر سے جوئیں نکالنے لگیں، جیسا کہ آخر تک حدیث میں آیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر نے اس حدیث سے مستفاد مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں کسی غیر کے گھر میں مہمان کے قیلولہ کرنے کا جواز ہے اس شرط کے ساتھ کہ اجازت لے

لی جائے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اس سے محفوظ ہو، اور اجنبی خواتین کا مہمان کو کھانا کھلانے اور اس کے لئے تیاری وغیرہ کے ذریعہ خدمت کرنے کا جواز ہے۔

اس سے مہمان کے سر سے عورت کے ذریعہ جوئیں نکالنے کی خدمت کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، متعدد علماء کو اس پر اشکال ہوا ہے، چنانچہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ میرا خیال ہے کہ ام حرام نے یا ان کی بہن ام سلیم نے رسول اللہ ﷺ کو دودھ پلایا تھا، اس طرح ان میں سے ایک آپ کی رضاعی ماں اور دوسری خالہ ہوگئیں، اس لئے آپ ان کے یہاں سوتے تھے، اور ان کے ساتھ وہ سارے معاملات کرتے تھے جو ایک محرم کے لئے اپنے محارم کے ساتھ جائز ہیں، پھر اپنی سند سے ایسی روایتیں نقل کی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ام حرام آپ کی خالاؤں کی طرف سے محرم تھیں اس لئے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب کی والدہ بنونجار سے تھیں.....الخ۔

کسی نے کہا کہ نبی ﷺ معصوم تھے آپ اپنی خواہشات کے حوالے سے بھی قابو رکھتے تھے، تو دوسری خواتین کے حوالے سے کیوں نہ رکھ سکیں گے اور آپ ہر فعل قبیح اور فحش گوئی سے بری تھے، اس طرح یہ آپ کی خصوصیت ہے۔

لیکن اس کو قاضی عیاض نے یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ خصائص احتمال کی بنیاد پر ثابت نہیں ہوا کرتے، البتہ جہاں تک عصمت کی بات ہے وہ مسلم ہے لیکن اصل عدم خصوصیت ہے اور آپ کے افعال کی پیروی جائز ہے جب تک خصوصیت پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

حافظ دمیاطی نے اس شخص پر رد میں بڑے مبالغے سے کام لیا ہے جس نے احتمال اول کی بات کہی ہے یعنی محرم ہونے کا دعوی، وہ کہتے ہیں:

جس کا خیال یہ ہے کہ ام حرام نبی کریم ﷺ کی رضاعی یا نسبی خالہ ہیں وہ حقیقت کو بھول گیا ہے کہ جن خواتین نے آپ کو دودھ پلایا وہ سب کو معلوم ہیں، ان میں سے کسی کا بھی تعلق انصار سے نہیں تھا، سوائے ام عبدالمطلب کے اور وہ سلمی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خراش بن

عامر بن غنم بن عدی بن النجار ہیں، اور ام حرام بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر المذکور ہیں، اس طرح ام حرام اور سلمی کا نسب ان کے جد اعلی عامر بن غنم میں جا کر ملتا ہے اور یہ ماموں کا وہ رشتہ ہے جس سے محرم ہونا ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ یہاں ماموں کا رشتہ مجازی طور پر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن وقاص کے لئے فرمایا تھا، "**ھذا خالی**" یہ میرے ماموں ہیں، اس لئے کہ وہ بنی زہرہ سے ہیں اور وہ آپ کی والدہ آمنہ کے اعزہ واقارب میں تھے، نہ کہ سعد حضرت آمنہ کے نسبی یا رضاعی بھائی، پھر انہوں نے کہا: جب یہ ثابت ہوگیا تو صحیح سند سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات اور ام سلیم کے سوا کسی کے پاس نہیں جاتے تھے، چنانچہ آپ سے اس بارے میں سوال بھی کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں ان کے ساتھ رحم وشفقت کا معاملہ کرتا ہوں کیونکہ ان کے بھائی میرے ساتھ رہتے ہوئے مارے گئے تھے یعنی حرام بن ملحان جو یوم بئر معونہ میں شہید ہوئے۔

جب اس حدیث نے استثناء کے ساتھ ام سلیم کو خاص کر دیا تو زیر بحث یہی معاملہ ام حرام کا بھی ہے، وہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں اور ایک ہی گھر میں رہتی تھیں یعنی ان میں سے ہر ایک اسی گھر کے ایک کمرے میں رہتی تھیں اور حرام بن ملحان دونوں کے بھائی تھے اس طرح دونوں میں علت مشترک ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

علت مذکورہ کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ ام سلیم ہی انس کی والدہ ہیں جو رسول اللہ کے خادم ہیں اور عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ مخدوم اپنے خادم اور اس کے اہل خانہ کے ساتھ گھل مل جاتا ہے اور اجنبیوں کے درمیان جو دوری ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

پھر دمیاطی نے کہا ہے: ''نیز حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو ام حرام کے ساتھ خلوت پر دلالت کرے اور شاید کہ ایسا بیٹے یا خادم یا شوہر یا کسی تابع فرمان کی موجودگی میں ہوا ہوگا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کا قوی احتمال ہے لیکن اس سے پورا اشکال دور نہیں ہوتا اس لئے کہ اس سے سر سے جوئیں نکالنے میں لمس پائے جانے اور گود میں سونے کا جواب نہیں ملتا۔

حافظ نے کہا ہے: سب سے اچھا جواب آپ کے ساتھ خصوصیت کا دعوی ہے اور اس دعوی کو صرف اس بنیاد پر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے، کیوں کہ اس سلسلے میں واضح دلیل موجود ہے(۱)۔

میں نہیں جانتا کہ یہ دلیل کہاں ہے، پوشیدہ ہے یا واضح؟

ان روایات سے جس بات پر دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مجرد ملامست حرام نہیں ہے پس جب اختلاط کے اسباب پائے جائیں جیسا کہ رسول اللہ اور ام حرام وام سلیم کے درمیان تھے اور دونوں جانب سے فتنہ سے امن ہو تو ضرورت کے وقت مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے مثلاً سفر سے آمد پر اور جب کوئی عزیز اپنی کسی عزیزہ سے یا عزیزہ اپنے کسی عزیز سے ملاقات کرے، جو اس کا غیر محرم ہو جیسے ماموں زاد یا خالہ زاد یا چچا زاد یا پھوپھی زاد بہن یا چچی یا ممانی وغیرہ، اور خاص طور سے جب ملاقات بہت مدت کے بعد ہو رہی ہو۔

اس بحث کے اختتام پر میں دو چیزوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں:

اول: یہ کہ مصافحہ شہوت کی عدم موجودگی اور فتنہ سے امن کی صورت میں جائز ہے پس جب کسی بھی ایک طرف فتنہ کا خطرہ یا کسی ایک طرف سے شہوت و تلذذ پایا جائے تو بلا شبہ مصافحہ حرام ہو جائے گا۔

بلکہ اگر یہ دونوں شرطیں مفقود ہو جائیں مرد اور اس محرم خواتین کے درمیان بھی نہ پائی جائیں مثلاً اس کی خالہ یا پھوپھی یا رضاعی بہن، یا (پہلے شوہر سے) اس کی بیوی کی بیٹی یا اس کی سوتیلی ماں یا ساس وغیرہ تو ایسے میں مصافحہ حرام ہو جائے گا۔

۱- فتح الباری ۱۳/ ۲۳۰، ۲۳۱۔

بلکہ اگر یہ دونوں شرطیں مرد اور امرد بچہ کے درمیان سے بھی مفقود ہو جائیں تو اس سے بھی مصافحہ حرام ہو جائے گا اور کبھی کبھی بعض حالات میں اور بعض لوگوں کے نزدیک اس میں عورت سے بھی زیادہ شدید خطرہ ہے۔

دوم: مصافحہ کو ضرورت تک ہی محدود رکھنا بہتر ہے جیسا کہ اقارب اور سسرال والوں کا سوال میں ذکر ہے جن کے درمیان اختلاط اور تعلق قوی ہوتا ہے اور اس میں توسع اچھا نہیں ہے، فتنے کے دروازے کو بند کرنے، شبہ سے دوری اختیار کرنے، احتیاط کے تقاضے کے طور پر اور نبی ﷺ کی اتباع میں کہ آپ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے کسی اجنبی خاتون سے کبھی بھی مصافحہ کیا ہو۔

دین دار مسلمان مرد و عورت کے لئے افضل یہ ہے کہ ان میں سے کوئی مصافحہ کی ابتداء نہ کرے لیکن جب ان سے مصافحہ کیا جائے تو مصافحہ کر لیں۔

ہم نے یہ مسئلہ اس لئے بتاتا ہے تا کہ جس کو اس کی ضرورت ہو اسے اس پر عمل کرتے ہوئے گناہ کا احساس نہ ہو اور جو اسے ایسا کرتے دیکھے وہ اس پر اعتراض نہ کرے کہ یہ مسئلہ محل اجتہاد ہے، وباللہ التوفیق۔

عورت کی ملازمت

سوال: عورت کے کام کرنے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ میری مراد گھر سے باہر کام کرنے سے ہے جس طرح مرد کرتے ہیں، کیا عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ کام کرے اور معاشرہ کی پیداوار، ترقی اور سرگرمیوں میں حصہ لے؟ یا اس پر یہ لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ گھر کی قیدی بن کر رہے اور صرف گھر کی چہار دیواری کے اندر ہی کام کرے؟ ہم برابر سنتے ہیں کہ ہمارے دین اسلام نے عورت کو بڑی عزت اور مقام و مرتبہ بخشا ہے اور جب مغرب کے حقوق نسواں کو جاننے سے صدیوں پہلے اسلام نے عورت کو اس کے حقوق انسانی عطا کئے تھے، کیا کام کرنا اس کے ان حقوق میں شامل نہیں ہے؟ جس کے ذریعہ وہ اپنے عزت و وقار کی حفاظت کر سکے، اپنی آبرو کو خراب حالات کی دست برد سے بچا سکے۔

آخر عورت زندگی کے معرکوں میں اس طرح جدوجہد کیوں نہیں کر سکتی جس طرح مغربی عورت کرتی ہے کہ اپنی شخصیت کو نکھارے اور اپنا حق حاصل کرے، اپنے ذاتی مسائل و امور میں خود فیصلے کرے اور سوسائٹی کی ترقی میں حصہ لے؟

ہم اس مسلم خاتون کے لئے مباح عمل کے سلسلہ میں حدود شریعت کو جاننا چاہتے ہیں، جو اپنے دین کا نقصان کئے بغیر اپنی دنیا کے لئے کام کرنا چاہے، اس سلسلے میں ہم ان شدت پسندوں کی سختی سے بھی دور رہنا چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ عورت نہ تعلیم حاصل کرے، نہ کوئی گھر سے باہر کام کرے، اور نہ ہی اپنے گھر سے نکلے حتی کہ مسجد کے لئے بھی نہیں، اور دوسری جانب ہم ان لوگوں کے نظریات سے بھی دور رہنا چاہتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ مسلم خاتون تمام پابندیوں

سے آزاد ہو جائے اور بازاروں کا کم قیمت مال ہو جائے۔

ہم صرف شرع متین کا وہ حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط۔

ایک مسلم طالبہ

جواب: عورت بھی مرد کی طرح انسان ہے، مرد وعورت ایک دوسرے کا حصہ ہیں، جیسا کہ قرآن کریم نے کہا ہے: ''**بعضکم من بعض**'' (آل عمران:۱۹۵) اور ہر زندہ انسان کی فطرت ہے کہ غور وفکر کر کے عمل کرے، ورنہ وہ انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔

اللہ تعالی نے انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ کام کریں بلکہ انہیں صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ انہیں آزمائے کہ کون کتنا اچھا کام کرتا ہے، اس طرح عورت بھی مرد کی طرح کام کرنے کی مکلّف ہے اور صراحت کے ساتھ عورت کو اچھے عمل کا مکلّف بنایا گیا ہے، مردوں کی طرح عورتوں کو بھی خدا ثواب عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ''**فاستجاب لهم ربهم أنی لا أضیع عمل عامل منکم من ذکر أو أنثی**'' (البقرہ:۱۹۵) (جواب میں ان کے رب نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت) اور اس کے اچھے عمل پر آخرت میں ثواب دیا جائے گا، جبکہ دنیا میں بھی اس کا بدلہ دیا جاتا ہے، ''**من عمل صالحاً من ذکر أو أنثی وهو مؤمن فلنحیینه حیاة طیبة**'' (النحل:۹۷) (جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے)۔

عورت بھی جیسا کہ ہمیشہ کہا جاتا ہے انسانی معاشرہ کا آدھا حصہ ہے اور اسلام کے سلسلہ میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے نصف معاشرہ کو معطل کر دے گا اور اس پر جمود اور تعطل کا حکم لگا کر اس سے فائدہ تو اٹھائے گا لیکن اسے کچھ نہ دے گا۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ عورت کا پہلا اور عظیم ترین عمل، جس میں اس کا کوئی

ثانی نہیں ہے، نسلوں کی تربیت ہے، جس کے لئے اللہ تعالی نے اسے جسمانی اور نفسیاتی طور پر تیار کیا ہے، چنانچہ ضروری ہے کہ اس جلیل القدر فریضہ کی ادائیگی میں کوئی بھی مادی یا ادبی مشغلہ رکاوٹ نہ بنے، اس عظیم الشان کام میں کوئی مرد عورت کے مقام پر کھڑا نہیں ہوسکتا جس پر کہ امت کے مستقبل کا انحصار ہے اور اسی سے اس کا سرمایہ یعنی انسانی سرمایہ کی وجود میں آتا ہے۔

اللہ تعالی شاعر نیل حافظ ابراہیم کے ساتھ فضل کا معاملہ فرمائے جس نے کہا ہے:

الأم مدرسة إذا أعددتها أعددت شعباً طيب الأعراق

(ماں ایک مدرسہ ہے اگر تم نے اس کی اچھی تربیت کردی تو گویا کہ ایک نیک فطرت خاندان تیار کردیا)۔

اسی طرح اس کا ایک عمل اپنے گھر کی دیکھ بھال، اپنے شوہر کا تعاون اور ایک ایسا خوشحال خاندان بنانا ہے جس کی بنیاد سکون ومحبت اور رحمت وشفقت پر قائم ہو چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ عورت کا اپنے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری جہاد فی سبیل اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت کا گھر سے باہر کام کرنا شرعاً حرام ہے اس لیے کہ صحیح اور صریح نص کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دینے کا اختیار کسی کو نہیں ہے، اور عادی اعمال واشیاء میں اصل اباحت ہے جیسا کہ سب کو معلوم ہے۔

اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ عورت کا کام کرنا فی نفسہ جائز ہے، اور ضرورت کے موقع پر حسب ضرورت مستحب اور واجب ہوجاتا ہے، جیسے ایسی بیوہ یا مطلقہ جس کا کوئی سہارا نہ ہو لیکن وہ خود اتنا کمانے کی استطاعت رکھتی ہو کہ دست سوال دراز کرنے اور احسان اٹھانے سے بچ جائے۔

کبھی کبھی تو خود خاندان ہی اس کے عمل کا محتاج ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کا تعاون کرے اور ہاتھ بٹائے، اپنے بچوں اور چھوٹی بہنوں کی تربیت کرے یا بڑھاپے میں اپنے باپ

کے لئے سہارا بنے، جیسا کہ ''شیخ کبیر'' کی دو بیٹیوں کے قصہ میں ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں سورہ قصص میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ دونوں اپنے باپ کی بکریوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں، ''**قالتا لا نسقی حتی یصدر الرعاء وأبونا شیخ کبیر**'' (القصص:۲۳) (انہوں نے کہا ہم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلاسکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نکال نہ لے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں)۔

جیسا کہ روایات میں ہے کہ اسماء بنت ابی بکر صدیق ذات النطاقین گھوڑے کی دیکھ بھال میں اپنے شوہر زبیر بن العوام کا ہاتھ بٹاتی تھیں اور ان کے اونٹ کے لئے گٹھلیاں کوٹتی تھیں یہاں تک کہ مدینہ سے اچھی خاصی دور واقع ان کے باغ سے گٹھلیاں اپنے سر پر لاد کر لاتی تھیں۔

کبھی معاشرہ عورت کے عمل کا محتاج ہوجاتا ہے مثلاً عورتوں کے علاج معالجہ، ان کی تیمارداری، لڑکیوں کی تعلیم جیسے عورتوں کے لئے مخصوص کام۔ اس طرح بہتر یہ ہے کہ عورت اپنی جیسی عورت کے ساتھ مل کر کام کرے نہ کہ مرد کے ساتھ۔

البتہ بعض کاموں میں مرد کے ساتھ کام کرنے کو قبول کر لینا ضرورت کے تحت ہوتا ہے، مناسب یہی ہے کہ اس کو اس کے حدود کے اندر ہی رکھا جائے، قاعدہ کلیہ نہ بنایا جائے۔

اور جب ہم نے عورت کے عمل کو جائز قرار دیا ہے تو ضروری ہے کہ وہ چند شرائط کے اندر ہو:

۱- یہ کہ عمل فی نفسہ جائز ومشروع ہو یعنی اس کا عمل فی نفسہ حرام اور نہ کسی امر حرام کی طرف لے جانے والا ہو، مثلاً کنور امرد کی خدمت گذاری، یا کسی آفیسر کی ایسی سکریٹری، جس کی ڈیوٹی کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوت وتنہائی میں رہیں، یا رقاصہ ہونا جو لوگوں کی ناجائز خواہشات اور جذبات کو بھڑکائے، یا بار میں کام کرے، لوگوں کو شراب پیش کرے جس

کے پلانے والے، اٹھانے، اور فروخت کرنے والے پر بھی رسول اللہ نے لعنت فرمائی ہے، یا ہوائی جہاز کی ایرہوسٹس ہونا جس کے فرائض میں نشیلی اشیاء کا پیش کرنا اور بغیر محرم کے دور دراز کا سفر کرنا شامل ہوتا ہے جس میں اجنبی شہروں اور ملکوں میں رات بھی تنہا گزارنی پڑتی ہے یا اس طرح کے دوسرے اعمال جنہیں اسلام نے خاص طور سے عورتوں یا مردوں اور عورتوں سب کے لئے حرام قرار دیا ہے۔

۲- یہ کہ جب اپنے گھر سے نکلے تو زیب وزینت چال ڈھال، کلام اور حرکات میں مسلم خاتون کے آداب کا لحاظ رکھے، "**وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها**" (النور:۳۱) (اور اے نبی مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود بخود ظاہر ہو جائے)، اور "**ولا يضربن بأرجلهن ليعلم مايخفين من زينتهن**" (الاحزاب:۳۲) (وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتے ہوئے نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے)، "**فلاتخضعن بالقول فيمطع الذى فى قلبه مرض وقلن قولا معروفاً**" (الاحزاب:...) (دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی میں مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو)۔

۳- یہ کہ اس کا عمل ان دوسرے فرائض کی قیمت پر نہ ہو جن میں لاپرواہی جائز نہیں ہے جیسے شوہر اور اولاد سے متعلق ذمہ داریاں کہ یہ اس کے اولین واجبات اور بنیادی اعمال ہیں، **وباللہ التوفیق**۔

مولف کا مختصر تعارف

☆ شیخ یوسف القرضاوی کی پیدائش مصر میں ہوئی ابھی دس سال کے بھی نہ ہوئے تھے کہ قرآن کریم حفظ کرلیا اور تجوید وقرأت کی تعلیم بھی حاصل کرلی اور تعلیم کی تکمیل جامعہ ازہر سے ہوئی۔

☆ شعبہ اصول الدین سے ۱۹۵۳ء میں عالیہ (بی اے) کی ڈگری حاصل کی پھر ۱۹۵۴ء میں بی ایڈ کی سند حاصل کی اور ۱۹۷۳ء میں ڈاکٹریٹ کیا۔

☆ فراغت کے بعد محکمہ اوقاف میں دینی امور کی نگرانی کے ادارے میں کام کیا پھر جامعہ ازہر کے ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تقرر ہوا پھر وہاں سے آپ قطر میں معہد دینی کے ڈائریکٹر بن گئے، اس کے بعد کلیۃ التربیہ کے شعبہ اسلامی مطالعات کی بنیاد ڈالی اور اس کے صدر مقرر ہوئے، اس کے بعد کلیۃ الشریعہ والدراسات کے بانی وڈین ہوئے اور مرکز بحوث السنۃ والسیرہ کے مدیر بنے اس کی تاسیس کی ذمہ داری آپ پر ہی تھی اور اب تک اس منصب پر قائم ہیں۔

☆ آپ اپنے شباب کے آغاز سے ہی دعوت وتبلیغ کے کام میں مشغول ہوگئے تھے اور تحریک اسلامی میں شامل ہوگئے جس کے نتیجہ میں کئی بار گرفتار اور قید کئے گئے، شاہی دور میں بھی اور انقلاب وشورش کے زمانہ میں بھی۔

☆ اللہ تعالی نے آپ کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے آپ پرزور وموثر مقرر ہیں، آپ کی تقاریر عقل کو اپیل کرتی ہیں اور دلوں کو جھنجھوڑتی ہیں، آپ ایسے صاحب طرز مصنف ہیں جس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا جبکہ اپنے طرز میں کسی کی تقلید بھی نہیں کرتے، رسوخ

فی العلم اور اعتدال میکس امتیازی شان رکھنے والے فقیہ ہیں، چنانچہ آپ کے فتاوی مشرق ومغرب میں مشہور ومقبول ہیں، آپ کو مختلف علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل ہے، چنانچہ جدید فکر ونظر اور قدیم علوم کے جامع ہیں، ممتاز شاعر ہیں، مسلم نوجوان آپ کے اشعار پڑھ کر یاد کرتے ہیں آپ کے اشعار مشرق سے مغرب تک ہر جگہ پڑھے جاتے ہیں۔

☆ آپ کی تالیفات کی تعداد ۵۰ سے متجاوز ہے، جنہیں عالم اسلام میں قبول عام حاصل ہے، بعض تالیفات کے تو دسیوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں جبکہ بڑی تعداد میں اسلامی اور دوسری زبانوں میں ان کے ترجمے ہو چکے ہیں جہاں تک مقالات، خطبات، دروس اور لیکچروں کا تعلق ہے وہ شمار سے باہر ہیں۔

☆ آپ کے بارے میں بہت سے اصحاب علم ودانش نے لکھا ہے کہ اسلامی مفکرین میں آپ جیسے لوگ شاذ ونادر ہی پائے جاتے ہیں جو شرعی محکمات اور عصری تقاضوں کے درمیان جمع کرتے ہوں، آپ کی کتابوں میں فقہی فہم ودانش کی گہرائی، ادبی روشنی، مجدد کی فہم وفراست اور داعی کی گرمی وحرارت کی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو دوسری کتابوں سے انہیں ممتاز کر دیتی ہیں۔

☆ آپ بہت سی اکیڈمیوں علمی، دعوتی، عربی، اسلامی وعالمی اداروں کے رکن ہیں جن میں رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی مکہ، قومی اکیڈمی برائے تمدن اسلامی اردن، مرکز دراسات اسلامیہ آکسفورڈ، مجلس امناء الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ اسلام آباد، منظمۃ الدعوۃ الاسلامیۃ خرطوم شامل ہیں اور کئی اسلامی بینکوں کے نگراں وسربراہ ہیں۔

☆ ایشیاء وافریقہ کے بہت سے مسلم ممالک کے دورے کر چکے ہیں، مسلم اکثریت اور مسلم اقلیت والے تقریباً تمام ملکوں میں جا چکے ہیں، بہت سی اسلامی اور عالمی

یونیورسٹیوں میں لیکچر دینے کے لئے بلائے جا چکے ہیں، عالم اسلام کے اندر اور باہر بہت سی کانفرنسوں اور علمی پروگراموں میں شریک ہوئے ہیں۔

☆ آپ ان ممتاز داعیوں میں سے ایک ہیں جو اس اسلامی کی دعوت دیتے اور تبلیغ کرتے ہیں جو قدیم اور جدید کی جامع ہوتی ہے، فکر ونظر اور تحریک کو باہم ملاتی ہے، فقہ السنہ، فقہ المقاصد، اور فقہ الاولیات پر اپنی توجہ مرکوز رکھتی ہے، اسلام کی بنیادی تعلیمات واحکام اور عصری تغیرات کے درمیان توازن قائم کرتی ہے، ہر پرانی نفع بخش چیز کو اسی طرح اپناتی ہے جس طرح ہر جدید صالح کا خیر مقدم کرتی ہے، ماضی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حال میں رہتی ہے، اور مستقبل پر نگاہ رکھتی ہے۔